پہلا لیکچر:

سورۂ انفال

سورۂ اَنفال کا تعارف

مقامِ نزول:

صحیح قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت ان سات آیتوں کے علاوہ مدنی ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور وہ آیت نمبر 30 " وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ " سے شروع ہوتی ہیں۔

آیات، کلمات اور حروف کی تعداد:

اس سورت میں 10 رکوع، 75 آیتیں، 1075 کلمے اور 5080 حروف ہیں۔

"اَنفال" نام رکھنے کی وجہ:

اَنفال نَفَل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے غنیمت کا مال، اس سورت کی پہلی آیت میں اَنفال یعنی مالِ غنیمت کے احکام کے بارے میں مسلمانوں کے سوال اور انہیں دیئے جانے والے جواب کا ذکر ہے، اس مناسبت سے اس سورت کا نام "سورۂ اَنفال" رکھا گیا۔

سورۂ اَنفال کے مضامین:

اس سورت کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس میں مالِ غنیمت کے احکام، غزوۂ بدر کا تفصیلی واقعہ اور اس کی حکمتیں بیان کی گئیں اور مسلمانوں کو جنگ کے اصول سکھائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سورت میں یہ مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

(1) ... اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا اور خوفِ خدا کی فضیلت بیان کی گئی۔

(2)... مکہ مکرمہ سے ہجرت کے وقت تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خلاف کفار کی سازش اور اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کفار کی سازش سے محفوظ رکھنے کا بیان ہے۔

(3) ... ہر چیز میں ضروری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا گیا۔

(4) ... مسلمانوں کو کفار کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے پورے کرنے اور معاہدہ توڑنے پر ان کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا گیا۔

(5) ... کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے مقاصد بیان کئے گئے۔

(6) ... کفار کے دلوں میں دھاک بٹھانے کے لئے مسلمانوں کو جنگی ساز و سامان کی بھرپور تیاری کا حکم دیا گیا۔

(7) ... اس سورت کے آخر میں قیدیوں کے بارے میں احکام اور مہاجرین و انصار کے مجاہدوں کے فضائل بیان کئے گئے۔

سورۂ اَعراف کے ساتھ مناسبت:

سورۂ اَنفال کی اپنے سے ماقبل سورت "اعراف" کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ سورۂ اعراف میں مشہور رسولوں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اپنی قوموں کے ساتھ حالات بیان کئے گئے تھے اور سورۂ اَنفال میں سیدُ المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اپنی قوم کے ساتھ حالات بیان کئے گئے ہیں۔

HAFIZ M.A.SUBHANI LECT.GDC K.PGC

دوسرا لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 1 تا 4)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا۔

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱﴾

اے محبوب تم سے غنیمتوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ و رسول ہیں تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس میں میل رکھو اور اللہ و رسول کا حکم مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔

تشریح: اے محبوب! تم سے اموالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ، غنیمت کے مالوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں تو اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس میں صلح صفائی رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر تم مومن ہو۔

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ: **اے حبیب! تم سے اموالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔**} اَنفال، نفل کی جمع ہے اور اس سے مراد مالِ غنیمت ہے۔ اور نفل کو غنیمت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی عطا ہے۔ **شانِ نزول:** اس آیت کے شانِ نزول سے متعلق مختلف روایات ہیں ،ان میں سے دو روایات یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

(1)... حضرت ابو امامہ باہلی فرماتے ہیں، میں نے حضرت عبادہ بن صامت سے آیتِ انفال کے نزول کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ”یہ آیت ہم اہلِ بدر کے حق میں نازل ہوئی جب غنیمت کے معاملہ میں ہمارے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور بدمزگی کی نوبت آگئی تو اللہ تعالیٰ نے معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکال کر اپنے رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سپرد کر دیا اور آپ نے وہ مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔

(2) ... حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غزوۂ بدر کے دن ارشاد فرمایا: ”جو تم میں سے یہ کام کر دکھائے اسے مالِ غنیمت میں سے یہ انعام ملے گا۔ چنانچہ نوجوان آگے بڑھ گئے اور عمر رسیدہ حضرات جھنڈوں کے پاس کھڑے رہے اور وہاں سے نہ ہٹے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں پر فتح عطا فرمائی تو بوڑھوں نے فرمایا: ”ہم تمہارے پشت پناہ تھے، اگر تمہیں شکست ہو جاتی تو تم ہماری طرف آتے لہٰذا یہ نہیں کہ غنیمت تم لے جاؤ اور ہم خالی ہاتھ رہ جائیں۔ جوانوں نے اس بات سے انکار کیا اور کہا کہ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمارا یہ حق مقرر فرمایا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۚ﴿۲﴾

ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں۔

تشریح: ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

{ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ: **ایمان والے وہی ہیں۔**} اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی شرط کے ساتھ اپنی اور اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت کا حکم دیا

کیونکہ کامل ایمان، کامل اطاعت کو مستلزم ہے۔ جبکہ اس آیت میں ÇáäÀ تعالیٰ نے کامل ایمان والوں کے تین اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

کامل ایمان والوں کے تین اوصاف:

اس آیت میں اپنے ایمان میں سچے اور کامل لوگوں کا **پہلا وصف** یہ بیان ہوا کہ **جب اللہ کو یاد کیا جائے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں۔**

اللہ تعالیٰ کا خوف دو طرح کا ہوتا ہے: (1) عذاب کے خوف سے گناہوں کو ترک کر دینا۔(2)اللہ کے جلال، اس کی عظمت اور اس کی بے نیازی سے ڈرنا۔ **پہلی قسم** کا خوف عام مسلمانوں میں سے پرہیز گاروں کو ہوتا ہے اور **دوسری قسم** کا خوف اَنبیاء و مُرسَلین، اولیاءے کاملین اور مُقَرَّب فرشتوں کو ہوتا ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ سے جتنا زیادہ قرب ہوتا ہے اسے اتنا ہی زیادہ خوف ہوتا ہے۔

جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھنے والا ہوں۔

خوفِ خدا سے متعلق آثار:

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق نے ایک مرتبہ درخت پر پرندے کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے پرندے! تیرے لئے کتنی بھلائی ہے کہ تو پھل کھاتا اور درخت پر بیٹھتا ہے کاش! میں بھی ایک پھل ہوتا جسے پرندے کھالیتے۔

حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں ''میں نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا کہ آپ نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر فرمایا: کاش! میں ایک تنکا ہوتا۔ کاش! میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ کاش! میں پیدا نہ ہوا ہوتا۔ کاش! میں بھولا بسرا ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے، سرکارِ رسالت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس مومن بندے کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلے، خواہ وہ مچھر کے سر جتنا ہو، پھر وہ آنسو رخسار کے سامنے کے حصے کو مس کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔

دوسرا وصف یہ بیان ہوا کہ **اللہ کی آیات سن کر اُن کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔** یہاں ایمان میں زیادتی سے ایمان کی مقدار میں زیادتی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد ایمان کی کیفیت میں زیادتی ہے۔

تیسرا وصف یہ بیان ہوا کہ **وہ اپنے رب اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔** یعنی وہ اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں، اس کے علاوہ کسی سے امید رکھتے ہیں اور نہ کسی سے ڈرتے ہیں۔

توکل کا حقیقی معنی اور توکل کی فضیلت:

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں ''توکل کا یہ معنی نہیں کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنی کوششوں کو مُہمَل چھوڑ دے جیسا کہ بعض جاہل کہتے ہیں بلکہ توکل یہ ہے کہ انسان ظاہری اسباب کو اختیار کرے لیکن دل سے ان اَسباب پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت، اس کی تائید اور اس کی حمایت پر بھروسہ کرے۔ اس کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حضرت انس فرماتے ہیں ''ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ!'' میں اپنے اونٹ کو باندھ کر توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ ارشاد فرمایا ''تم اسے باندھو پھر توکل کرو۔

اور توکل کی فضیلت کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب جنت میں جائیں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر جنتر نہیں کرتے، فال کے لیے چڑیاں نہیں اڑاتے اور اپنے رب اللہ پر بھروسہ

کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ ﴿۳﴾

1۔ وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں۔

{ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ: وہ جو نماز قائم رکھتے ہیں۔} اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کامل ایمان والوں کے جو تین اوصاف بیان کئے یعنی اللہ کے ذکر کے وقت ڈر جانا، تلاوتِ قرآن کے وقت ایمان زیادہ ہونا اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا، ان تینوں کا تعلق قلبی اعمال سے تھا جبکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے دو اوصاف ایسے بیان فرمائے ہیں کہ جن کا تعلق ظاہری اعضاء کے اعمال سے ہے، **پہلا وصف** یہ ارشاد فرمایا کہ ''وہ جو نماز قائم رکھتے ہیں'' نماز قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ فرض نمازوں کو ان کی تمام شرائط و ارکان کے ساتھ اُن کے اوقات میں ادا کرنا۔ **دوسرا وصف** یہ ارشاد فرمایا کہ ''اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مال اس جگہ خرچ کرتے ہیں جہاں خرچ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم ارشاد فرمایا، اس میں زکوٰۃ، حج، جہاد میں خرچ کرنا اور نیک کاموں میں خرچ کرنا سب داخل ہے۔

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ ﴿۴﴾

یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا: یہی سچے مسلمان ہیں۔} انہیں سچے مسلمان کا لقب اس لئے عطا ہوا کہ جہاں ان کے دل خَشیتِ الٰہی، اخلاص اور توکل جیسی صفاتِ عالیہ سے مُتَّصِف ہیں وہیں ان کے ظاہری اعضاء بھی رکوع و سجود اور راہِ خدا میں مال خرچ کرنے میں مصروف ہیں۔

{لَهُمْ دَرَجٰتٌ: ان کے لیے درجے ہیں۔} اس آیت میں ما قبل مذکور پانچ اوصاف کے حامل مؤمنین کے لئے تین جزائیں بیان کی گئی ہیں:

(1)...ان کیلئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں۔ یعنی جنت میں ان کے لئے مراتب ہیں اور ان میں سے بعض بعض سے اعلیٰ ہیں کیونکہ مذکورہ بالا اوصاف کو اپنانے میں مؤمنین کے اَحوال میں تَفاوُت ہے اسی لئے جنت میں ان کے مراتب بھی جداگانہ ہیں۔

(2)...ان کے لئے مغفرت ہے۔ یعنی ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(3) ...اور عزت والا رزق ہے۔ یعنی وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے جنت میں تیار فرمایا ہے۔ اسے عزت والا اس لئے فرمایا گیا کہ انہیں یہ رزق ہمیشہ تعظیم و اکرام کے ساتھ اور محنت و مشقت کے بغیر عطا کیا جائے گا۔

تیسرا لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 6 تا 8)

كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ ﴿۵﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ ﴿۶﴾ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ ﴿۸﴾

"جس طرح اے محبوب تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا۔ سچی بات میں تم سے جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی گویا وہ آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں۔ اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا

HAFIZ M.A.SUBHANI LECT. GDC&PCC

کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ کہ سچ کو سچ کرے اور جھوٹ کو جھوٹا پڑے برا مانیں مجرم۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ: جیسے تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا حالانکہ یقیناً مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا۔ یہ حق بات کے بارے میں اس کے روشن ہو جانے کے بعد تم سے جھگڑتے تھے گویا انہیں آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکا جارہا ہے۔ اور یاد کرو جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہ ہو اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ سچ کو سچا کر دکھائے اور جھوٹ کو جھوٹا کر دکھائے اگرچہ مجرم ناپسند کریں۔

{كَمَا : جس طرح۔} اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے حبیب! ﷺ مالِ غنیمت کا مسلمانوں کے اختیار سے نکال کر آپ کے اختیار میں دے دینا ایسے ہی حق ہے جیسے آپ کا غزوۂ بدر کے لئے اپنے گھر سے نکلنا برحق تھا اگرچہ دونوں چیزیں طبعی طور پر بعض مسلمانوں کی طبیعت پر گراں گزر رہی ہیں۔

{ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ: حالانکہ یقیناً مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا۔} اس گروہ کے ناخوش ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کی تعداد کم ہے، ہتھیار تھوڑے ہیں جبکہ دشمن کی تعداد بھی زیادہ ہے اور وہ اسلحہ وغیرہ کا بڑا سامان رکھتا ہے۔ ان آیات میں مذکور واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ملکِ شام سے ابوسفیان کے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ آنے کی خبر پاکر سیّدِ عالم ﷺ صحابۂ کرام کے ساتھ اُن سے مقابلے کیلئے روانہ ہوئے تو مکہ مکرمہ سے ابوجہل قریش کا ایک لشکرِ گراں لے کر اس تجارتی قافلے کی امداد کے لئے روانہ ہوا۔ ابوسفیان تو رستے سے کترا کر اپنے قافلے کے ہمراہ ساحلِ سمندر کے راستے پر چل پڑے اور ابوجہل سے اس کے رفیقوں نے کہا کہ قافلہ تو بچ گیا اس لئے اب مکہ مکرمہ واپس چل۔ ابوجہل نے انکار کر دیا اور وہ تاجدارِ رسالت ﷺ سے جنگ کرنے کے ارادے سے بدر کی طرف چل پڑا۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے دونوں گروہوں یعنی تجارتی قافلے یا قریش کے لشکر میں سے ایک پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے اس بات میں موافقت کی لیکن بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے یہ عذر پیش کیا کہ ہم اِس تیاری سے نہیں چلے تھے اور نہ ہماری تعداد اتنی ہے اور نہ ہی ہمارے پاس کافی اسلحے کا سامان ہے۔ یہ عذر رسول کریم ﷺ کو گراں گزرا اور حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: قافلہ تو ساحل کی طرف نکل گیا جبکہ ابوجہل سامنے آرہا ہے۔ اس پر ان لوگوں نے پھر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ قافلے ہی کا تعاقب کیجئے اور دشمن کے لشکر کو چھوڑ دیجئے۔ یہ بات خاطرِ اقدس پہ ناگوار ہوئی تو حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنھما نے کھڑے ہو کر اپنے اخلاص و فرمانبرداری اور رضا جوئی و جاں نثاری کا اظہار کیا اور بڑی قوت و اِستحکام کے ساتھ عرض کی کہ وہ کسی طرح مرضیٔ مبارک کے خلاف سستی کرنے والے نہیں ہیں۔ پھر اور صحابۂ کرام نے بھی عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس ﷺ کو جو حکم فرمایا اس کے مطابق تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں کبھی پیچھے نہ ہٹیں گے، ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں، ہم نے آپ کی تصدیق کی اور ہم نے آپ کی پیروی کے عہد کئے

ہیں۔ ہمیں آپ ﷺ کی اتباع میں سمندر کے اندر کود جانے سے بھی کوئی عذر نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: چلو، اللہ تعالیٰ کی برکت پر بھروسا کرو، اُس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ مجھے دشمنوں کے گرنے کی جگہ نظر آرہی ہے۔ اس کے بعد حضور پر نور ﷺ نے کفار کے مرنے اور گرنے کی جگہ ہر ایک کے نام کے ساتھ بتادی اور ایک ایک کی جگہ پر نشانات لگادیئے اور یہ معجزہ دیکھا گیا کہ اُن میں

سے جو مر کر گرا اُسی نشان پر گرا اور اس سے خطا نہ کی۔

چوتھا لیکچر:

سورۃ انفال (آیت نمبر 9 اور 10)

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

"جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے۔ اور یہ تو اللہ نے کیا مگر تمہاری خوشی کو اور اس لیے کہ تمہارے دل چین پائیں اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ: **یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے۔} شانِ نزول:** حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں "غزوۂ بدر کے دن رسولِ کریم ﷺ نے مشرکین کو ملاحظہ فرمایا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے ساتھ تین سو اُنیس مرد تھے۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے بابرکت ہاتھ پھیلا کر اپنے رب سے یہ دعا کرنے لگے "یارب! تو نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔ یارب! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ عنایت فرما۔ یارب! اگر تو اہلِ اسلام کی اس جماعت کو ہلاک کر دے گا تو زمین میں تیری پرستش نہ ہو گی۔ حضورِ اقدس اسی طرح دعا کرتے رہے یہاں تک کہ مبارک کندھوں سے چادر شریف اُتر گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق حاضر ہوئے اور چادر مبارک شانۂ اقدس پر ڈال کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اپنے رب کے ساتھ آپ کی مناجات کافی ہو گئی وہ بہت جلد اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔

{ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ: **میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔}** چنانچہ پہلے ایک ہزار فرشتے آئے پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ مسلمان اس دن کافروں کا تعاقب کرتے تھے اور کافر مسلمانوں کے آگے آگے بھاگتا جاتا تھا کہ اچانک اُوپر سے کوڑے کی آواز آتی اور سوار کا یہ کلمہ سنا جاتا تھا یعنی آگے بڑھ اے حیزوم (حیزوم حضرت جبریل کے گھوڑے کا نام ہے) اور نظر آتا تھا کہ کافر گر کر مر گیا اور اس کی ناک تلوار سے اڑا دی گئی اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ صحابہ کرام نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے اپنے یہ معائنے بیان کئے تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے۔

پانچواں لیکچر:

سورۃ انفال (آیت نمبر 11 تا 14)

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ؕ﴿۱۱﴾

جب اس نے تمہیں اونگھ سے گھیر دیا تو اس کی طرف سے چین تھی اور آسمان سے تم پر پانی اتارا کہ تمہیں اس سے ستھرا کر دے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور فرما دے اور تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس سے تمہارے قدم جما دے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ: **یاد کرو جب اس نے تم پر اونگھ ڈال دی۔}** حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ غنودگی اگر جنگ میں ہو تو امن ہے اور اللہ کی طرف سے ہے اور نماز میں ہو تو شیطان کی طرف سے ہے۔ جنگ میں غنودگی کا امن ہونا اس سے ظاہر ہے کہ جسے جان کا اندیشہ ہو اُسے نیند اور اونگھ

نہیں آتی، وہ خطرے اور اِضطراب میں رہتا ہے۔ شدید خوف کے وقت غنودگی آنا حصولِ امن اور زوالِ خوف کی دلیل ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ”جب مسلمانوں کو دشمنوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت سے جانوں کا خوف ہوا اور بہت زیادہ پیاس لگی تو ان پر غنودگی ڈال دی گئی جس سے انہیں راحت حاصل ہوئی، تھکان اور پیاس دور ہوئی اور وہ دشمن سے جنگ کرنے پر قادر ہوئے۔ یہ اونگھ اُن کے حق میں نعمت تھی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ”یہ اونگھ معجزہ کے حکم میں ہے کیونکہ یکبارگی سب کو اونگھ آئی اور کثیر جماعت کا شدید خوف کی حالت میں اِس طرح یکبارگی اونگھ جانا خلافِ عادت ہے۔

{ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً: **اور تم پر آسمان سے پانی اتارا۔**} غزوۂ بدر کے دن مسلمان ریگستان میں اُترے تو اُن کے اور اُن کے جانوروں کے پاؤں ریت میں دھنسے جاتے تھے جبکہ مشرکین اُن سے پہلے پانی کی جگہوں پر قبضہ کر چکے تھے۔ صحابۂ کرام میں سے بعض کو وضو کی اور بعض کو غسل کی ضرورت تھی اور اس کے ساتھ پیاس کی شدت بھی تھی۔ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ تمہارا گمان ہے کہ تم حق پر ہو، تم میں اللہ کے نبی ہیں اور تم اللہ والے ہو جبکہ حال یہ ہے کہ مشرکین غالب ہو کر پانی پر پہنچ گئے اور تم وضو اور غسل کئے بغیر نمازیں پڑھ رہے ہو تو تمہیں دشمن پر فتح یاب ہونے کی کس طرح امید ہے؟ شیطان کا یہ وسوسہ یوں زائل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بارش بھیجی جس سے وادی سیراب ہو گئی اور مسلمانوں نے اس سے پانی پیا، غسل اور وضو کئے، اپنی سواریوں کو پانی پلایا اور اپنے برتنوں کو پانی سے بھر لیا، بارش کی وجہ سے غبار بھی بیٹھ گیا اور زمین اس قابل ہو گئی کہ اس پر قدم جمنے لگے، صحابۂ کرام کے دل خوش ہو گئے اور بارش کی نعمت کامیابی اور فتح حاصل ہونے کی دلیل ہوئی۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾

"جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔

{اَنِّیْ مَعَكُمْ: **میں تمہارے ساتھ ہوں۔**} آیت کے اس حصے کی **ایک تفسیر** یہ ہے کہ جب فرشتے مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ **دوسری تفسیر** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہوں تم ان کی مدد کرو اور انہیں ثابت قدم رکھو۔ فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کا معنی یہ ہے کہ فرشتوں نے سرکارِ عالی وقار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائے گا اور رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسلمانوں کو یہ خبر دے دی (جس سے مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے اور وہ اس جنگ میں ثابت قدم رہے۔) دوسری تفسیر زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کلام سے مقصود خوف زائل کرنا ہے کیونکہ فرشتے کفار سے نہیں ڈرتے محض مسلمان خوفزدہ تھے۔

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ: **تو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر مارو۔**} ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور ایک قول یہ ہے کہ خطاب فرشتوں سے ہے۔

جنگِ بدر میں فرشتوں نے لڑائی میں باقاعدہ حصہ لیا تھا:

مفسرین کی ایک تعداد کے مطابق جنگِ بدر میں فرشتوں نے باقاعدہ لڑائی میں حصہ لیا تھا، یہاں ہم دو صحابۂ کرام کے بیانات تحریر کرتے ہیں جن سے مفسرین کے اس مَوقف کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ

حضرت ابو داؤد مازنی جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ ”میں مشرک کی گردن مارنے کے لئے اس کے درپے ہوا لیکن اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ اسے کسی اور نے قتل کیا ہے۔

حضرت سہل بن حُنَیف فرماتے ہیں کہ ”غزوۂ بدر کے دن ہم میں سے کوئی تلوار سے مشرک کی طرف اشارہ کرتا تھا تو اس کی تلوار پہنچنے سے پہلے ہی مشرک کا سر جسم سے جدا ہو کر گر جاتا تھا۔

نوٹ: یاد رہے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ 2 ھ 17 رمضانُ المبارک، بروز جمعہ صبح کے وقت پیش آیا تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

"یہ اس لیے کہ انہوں نے اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

{ذٰلِکَ: یہ عذاب۔} یعنی غزوۂ بدر کے دن کفار کے دلوں میں رعب ڈالے جانے، قتل اور قیدی ہونے کے عذاب کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے مخالفت کی اور غزوۂ بدر کے دن جو عذاب ان پہ نازل ہوا یہ اُس عذاب کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

"یہ تو چکھو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ کافروں کو آگ کا عذاب ہے"۔

{ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْہُ: یہ تو چکھو۔} یعنی اے کفار! غزوۂ بدر میں تمہارا قتل اور قید ہونا تو دنیا کی سزا ہے، تم اس کا مزہ چکھو اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ آخرت میں کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

چھٹا لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 15 تا 17)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو جب کافروں کے لام سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا **: اے ایمان والو!۔}** اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میدانِ جنگ میں مسلمان کافروں کو پیٹھ نہ دکھائیں اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب کفار مسلمانوں سے تعداد میں ڈبل ہوں اِس سے زیادہ نہ ہوں اور اگر کفار کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں ڈبل سے زیادہ ہو تو پھر مسلمانوں کا پیٹھ پھیر کر بھاگنا ناجائز و حرام نہیں ہے۔ جمہور کے نزدیک ایک سو مسلمانوں کا دو سو کفار کے مقابلے سے بھاگنا کسی حال میں جائز نہیں ہے اور اگر کافروں کی تعداد دو سو سے زیادہ ہو تو ان کے مقابلے سے بھاگنا اگرچہ جائز ہے لیکن صبر و اِستقامت سے ان کے مقابلے میں ڈٹے رہنا بہتر اور افضل ہے۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا مگر لڑائی کا ہنر کرنے یا اپنی جماعت میں جا ملنے کو تو وہ ÇáäÀ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗ **: اور جو اس دن انہیں پیٹھ دکھائے گا۔}** یعنی مسلمانوں میں سے جو جنگ میں کفار کے مقابلے سے بھاگا وہ غضبِ الٰہی میں گرفتار ہوا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے البتہ دو صورتیں ایسی ہیں جن میں وہ پیٹھ دکھا کر بھاگنے والا نہیں ہے۔

HAFIZ M.A SUBHAN LECT. CIS&PCC

(1) ...کسی جنگی حکمتِ عملی کی وجہ سے پیچھے ہٹنا مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ موثر ہو یا خطرناک جگہ سے ہٹ کر محفوظ جگہ سے حملہ کرنے کا قصد ہو تو اس صورت میں وہ پیٹھ دکھا کر بھاگنے والا نہیں ہے۔

(2) ...اپنی جماعت میں ملنے کے لئے پیچھے ہٹنا مثلاً مسلمان فوجیوں کا کوئی فرد یا گروہ مرکزی جماعت سے بچھڑ گیا اور وہ اپنے بچاؤ کیلئے پسپا ہو کر مرکزی جماعت سے ملا تو یہ بھی بھاگنے والوں میں شمار نہ ہو گا۔

جنگِ اُحد اور جنگِ حُنَین میں پسپائی اختیار کرنے والے صحابۂ کرام کا حکم

جنگِ احد اور جنگِ حنین میں جن صحابۂ کرام کے قدم اکھڑ گئے تھے وہ اس آیت کی وعید میں داخل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جنگِ احد میں پسپائی اختیار کرنے والے صحابۂ کرام کی عام معافی کا اعلان فرمادیا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْاۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ "(1)

بیشک تم میں سے وہ لوگ جو اس دن بھاگ گئے جس دن دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، انہیں شیطان ہی نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے لغزش میں مبتلا کیا اور بیشک اللہ نے انہیں معاف فرمادیا ہے۔

یونہی جنگِ حنین میں جن صحابۂ کرام نے ابتداءً پسپائی اختیار کی ان کے مومن رہنے کی گواہی خود قرآن میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے قدم جمائے اور ان پر اپنا سکینہ اتارا، ارشاد باری تعالیٰ ہے

"ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا"

اللہ نے اپنے رسول پر اور اہلِ ایمان پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور اس نے (فرشتوں کے) ایسے لشکر اتارے جو تمہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔

جو اس طرح کے واقعات کو لے کر صحابۂ کرام کی شان میں گستاخی کرے اور ان پر زبانِ طعن دراز کرے وہ بڑا بدبخت ہے کہ ان کی معافی کا اعلان ربُّ العالمین خود فرما چکا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْۚ وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰىۚ وَ لِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًاؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَیْدِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

"تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی اور اس لیے کہ مسلمانوں کو اس سے اچھا انعام عطا فرمائے بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔ یہ تو لو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ کافروں سست کرنے والا ہے۔

{فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ: تو تم نے انہیں قتل نہیں کیا۔} شانِ نزول: جب مسلمان جنگِ بدر سے واپس ہوئے تو ان میں سے ایک کہتا تھا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا، دوسرا کہتا تھا میں نے فلاں کو قتل کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اس قتل کو تم اپنے زورِ بازو اور طاقت و قوت کی طرف منسوب نہ کرو کہ یہ درحقیقت اللہ کی امداد اور اس کی تقویت اور تائید ہے۔

ہر اچھے کام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اچھے اور نیک کام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہئے اور جب انسان کوئی اچھا اور نیک کام کرے تو اس پر فخر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ نیک کام بندہ خود نہیں کرتا بلکہ جو بھی نیک کام کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہو تو ہی کرتا ہے۔

وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى: **اور اے محبوب! جب آپ نے خاک پھینکی تو آپ نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔} شانِ نزول:** اس

آیت کے شانِ نزول سے متعلق جمہور مفسرین کا مختار قول یہ ہے کہ جب کفار اور مسلمانوں کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوئیں تو رسولِ اکرم ﷺ نے ایک مٹھی خاک کافروں کے چہرے پر ماری اور فرمایا" ان لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں۔ وہ خاک تمام کافروں کی آنکھوں میں پڑی اور صحابۂ کرام بڑھ کر انہیں قتل اور گرفتار کرنے لگے۔ کفارِ قریش کی شکست کا اصل سبب خاک کی وہ مٹھی تھی جو تاجدارِ رسالت ﷺ نے پھینکی تھی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"

اعلیٰ حضرت اس واقعے کی منظر کشی کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں

میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منھ پھر گیا

ساتواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 16 تا 21)

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَیْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹﴾

اے کافرو اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آچکا اور اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر سزا دیں گے اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کتنا ہی بہت ہو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

{ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا: اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو۔} شانِ نزول: اس آیت میں خطاب ان مشرکین سے ہے جنہوں نے بدر میں سرورِ کائنات ﷺ سے جنگ کی اور ان میں سے ابو جہل نے اپنے اور حضورِ اقدس ﷺ کے بارے میں یہ دُعا کی کہ "یارب ہم میں جو تیرے نزدیک اچھا ہو اس کی مدد کر اور جو برا ہو اسے مصیبت میں مبتلا کر۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مشرکین نے مکہ مکرمہ سے بدر کی طرف چلتے وقت کعبہ معظمہ کے پردوں سے لپٹ کر یہ دعا کی تھی کہ "یارب! اگر محمد حق پر ہوں تو ان کی مدد فرما اور اگر ہم حق پر ہوں تو ہماری مدد کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو فیصلہ تم نے چاہا تھا وہ کر دیا گیا اور جو گروہ حق پر تھا اس کو فتح دی گئی، یہ تمہارا اپنا مانگا ہوا فیصلہ ہے۔ اب آسمانی فیصلہ سے بھی اسلام کی حقانیت ثابت ہوئی، ابو جہل بھی اس جنگ میں ذلت و رسوائی کے ساتھ مارا گیا اور اس کا سر رسولِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔

{اور اگر تم باز آجاؤ۔} آیت کے اس حصے میں بھی کفار سے خطاب ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم میرے حبیب ﷺ سے دشمنی رکھنے، انہیں جھٹلانے اور ان کے خلاف جنگ کرنے سے باز آگئے تو یہ دین اور دنیا دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ دین میں اس طرح کہ تم دائمی عذاب سے بچ جاؤ گے اور ثواب سے مالا مال کئے جاؤ گے، جبکہ دنیا میں اس طرح کہ تم قتل کئے جانے، قیدی بنائے جانے اور غنیمت کے طور پر اَموال لے لئے جانے سے بچ جاؤ گے اور اگر تم نے مسلمانوں سے دوبارہ جنگ کی تو ہم پھر مسلمانوں کو تم پر مُسلَّط کر دیں گے جیسا کہ تم غزوۂ بدر میں مشاہدہ کر چکے ہو اور یہ جان چکے ہو کہ اللہ کی تائید اور نصرت تمہاری بجائے مسلمانوں کے ساتھ ہے اور تم کتنی بھاری جمعیت لے کر کیوں نہ آؤ وہ تمہیں شکست سے نہ بچا سکے گی جیسے بدر کے میدان میں تمہارا بڑا جتھا تمہارے کسی کام نہ آیا۔

غیب کی ایک خبر:

HAFIZ MASUBHANI LECT. GDC & PGC

اس آیت میں غیب کی خبر ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کے بھاری لشکر بھی مغلوب ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر پوری فرمادی ، تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے، صحابۂ کرام کے عہدِ خلافت اور بعد میں بھی تھوڑے مسلمان بہت سے کافروں پر غالب آئے۔ مسلمانوں کی جنگی تاریخ کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ

(1)... غزوۂ موتہ میں صرف تیس ہزار جانثارانِ مصطفی کے مقابلے میں روم کے بادشاہ قیصر کی فوج کی تعداد دولاکھ تھی، لیکن اللہ کے شیروں نے اس جنگ میں پرچمِ اسلام سرنگوں نہ ہونے دیا۔

(2) ... جنگِ یرموک میں حضرت ابو عبیدہ عامر بن الجراح تقریباً 40000 کی قلیل فوج کے ساتھ دشمن کے دس لاکھ ساٹھ ہزار فوجیوں سے ٹکرائے اور اللہ کی نصرت وحمایت سے کامیاب وکامران ہوئے۔

(3) ... اسی جنگ میں حضرت خالد بن ولید نے صرف 60 کفن بردوش مجاہدین کے ساتھ دشمن کے 60000 جنگجو اور سرتاپا لوہے سے لیس فوجیوں کے ساتھ صبح سے لے کر شام تک مقابلہ کیا اور اللہ کے فضل سے ان پر غالب آگئے۔

(4) ... حضرت طارق بن زیادہ نے صرف 1700 جانباز مجاہدین کے ساتھ اندلس کے بادشاہ لڈریک کے ستر ہزار شہسواروں سے جنگ کی اور نصرتِ الٰہی کے صدقے انہیں کچل کر رکھ دیا۔

یہ غازی یہ تیرے پُراَسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (۲۰) وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ (۲۱)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اس سے نہ پھرو اور ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے۔

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور سن کر اس سے منہ نہ پھیرو۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کہا: ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا: **اے ایمان والو!۔}** اس آیت سے مقصود سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت کرنے کا حکم دینا اور ان کی نافرمانی سے منع کرنا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذکر اس بات پر مُتَنَبِّہ کرنے کے لئے ہے کہ رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے جیسا کہ ایک مقام پر صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔(2)

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ : **اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا۔}** ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کہا: ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے، کیونکہ جو سن کر فائدہ نہ اُٹھائے اور نصیحت حاصل نہ کرے اُس کا سننا سننا ہی نہیں ہے۔ یہ منافقین اور مشرکین کا حال ہے مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

آٹھواں لیکچر:

HAFIZ M.A. SUBHANI LECT. CUC&PGC

سورۂ انفال (آیت نمبر 22 تا 24)

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

بیشک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں۔

{اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ: بیشک سب جانوروں میں بدتر۔} یعنی مخلوقِ خدا میں سے روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدتر وہ ہیں جو نہ حق سنتے ہیں، نہ حق بات بولتے ہیں اور نہ حق کو سمجھتے ہیں۔ کان اور زبان و عقل سے فائدہ نہیں اُٹھاتے بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ یہ دیدہ و دانستہ بہرے گونگے بنتے اور عقل سے دشمنی کرتے ہیں۔ **شانِ نزول:** حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں" یہ آیت بنی عبد الدار بن قُصَیٰ کے حق میں نازل ہوئی جو کہتے تھے کہ جو کچھ محمد مصطفی ﷺ لائے ہم اُس سے بہرے گونگے اندھے ہیں، یہ سب لوگ جنگِ اُحد میں قتل ہوگئے اور ان میں سے صرف دو شخص حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت سویبط بن حرملہ ایمان لائے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا جب بھی انجام کار منہ پھیر کر پلٹ جاتے۔

اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر وہ انہیں سنا دیتا تو بھی وہ روگردانی کرتے ہوئے پلٹ جاتے۔

{ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اہلِ مکہ حضور سید المرسلین ﷺ سے یہ فرمائش کرتے کہ آپ ہمارے سامنے قُصَی کو زندہ کر دیں کیونکہ وہ بابرکت بزرگ ہے، اگر اس نے آپ کی نبوت کی گواہی دے دی تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر ان کی خواہش کے مطابق ہم قُصَی کو زندہ کر دیتے اور وہ اس کا کلام سن لیتے تو بھی وہ روگردانی کرتے ہوئے پلٹ جاتے۔ یہاں خیر سے مراد صدق و رغبت ہے یعنی اگر اللہ ان لوگوں کے دلوں میں قبولِ حق کا سچا جذبہ اور رغبت جانتا یعنی پاتا تو انہیں سنا دیتا یعنی ان کے مطلوبہ معجزات انہیں دکھا دیتا اور حق سنا دیتا لیکن چونکہ ان کے دلوں میں وہ صدق و رغبت موجود ہی نہیں لہٰذا اللہ نے انہیں ان کے مطلوبہ معجزات نہ دکھائے اور اگر اللہ انہیں دکھا بھی دیتا تو یہ منہ پھیر لیتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

"اے ایمان والو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی دیتی ہے اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ اسی کی طرف تمہیں اٹھایا جائے گا۔

{ اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ: اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔} اس آیت میں واحد کا صیغہ 'اس لئے ذکر کیا گیا کہ حضور سید المرسلین ﷺ کا بلانا اللہ ہی کا بلانا ہے۔

رسولِ کریم ﷺ جب بھی بلائیں تو ان کی بارگاہ میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ تاجدارِ رسالت ﷺ جب بھی کسی کو بلائیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے چاہے وہ

کسی بھی کام میں مصروف ہو۔ بخاری شریف میں ہے، حضرت ابوسعید بن معلی فرماتے ہیں کہ میں مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسُولِ اکرم ﷺ نے بلایا، لیکن میں آپ کے بلانے پر حاضر نہ ہوا۔ (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) میں نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا ﷺ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ

"اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ"

اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جایا کرو جب وہ تمہیں بلائیں۔

{لِمَا يُحْيِيْكُمْ: اس چیز کے لئے جو تمہیں زندگی دیتی ہے۔} زندگی دینے والی چیز کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے ایمان مراد ہے کیونکہ کافر مردہ ہوتا ہے ایمان سے اس کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ چیز قرآن ہے کیونکہ اس سے دِلوں کی زندگی ہے اور اس میں نجات ہے اور دونوں جہان کی حفاظت ہے۔ حضرت محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ وہ چیز جہاد ہے کیونکہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ ذلت کے بعد عزت عطا فرماتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ چیز شہادت ہے، کیونکہ شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

نواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 25 تا 28)

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

"اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہر گز تم میں خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے"۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً: اور اس فتنے سے ڈرتے رہو۔} اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس بات سے ڈرایا تھا کہ بنو آدم اور ان کے دلوں کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہے اور اس آیت میں اللہ نے مسلمانوں کو فتنوں، آزمائشوں اور عذاب سے ڈرایا ہے کہ اگر ظالموں پر عذاب نازل ہوا تو وہ صرف ظالموں تک ہی محدود نہ رہے گا بلکہ نیک و بد سب لوگوں پر یہ عذاب نازل ہو گا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اپنی طاقت و قدرت کے مطابق برائیوں کو روکیں اور گناہ کرنے والوں کو گناہ سے منع کریں اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو عذاب ان سب کو عام ہو گا اور خطاکار اور غیر خطاکار سب کو پہنچے گا۔

قدرت کے باوجود برائی سے منع کرنا چھوڑ دینا عذابِ الٰہی آنے کا سبب ہے:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو قوم قدرت کے باوجود برائیوں سے منع کرنا چھوڑ دیتی ہے اور لوگوں کو گناہوں سے نہیں روکتی تو وہ اپنے اس ترکِ فرض کی شامت میں مبتلائے عذاب ہوتی ہے۔ کثیر احادیث میں بھی یہ چیز بیان کی گئی ہے، ان میں سے 3 احادیث درج ذیل ہیں:

(1) ... سرکارِ عالی وقار، مدینے کے تاجدار ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ مخصوص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عذابِ عام نہیں کرتا جب تک کہ عام طور پر لوگ ایسا نہ کریں کہ ممنوعات کو اپنے درمیان ہوتا دیکھتے رہیں اور اس کے روکنے اور منع کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اس سے نہ روکیں، نہ منع کریں۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ عذاب میں عام و خاص سب کو مبتلا کر دیتا ہے۔

(2)... حضرت جریر فرماتے ہیں، میں نے سرورِ کائنات ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "کسی قوم میں جو شخص گناہوں میں سرگرم ہو اور وہ لوگ

قدرت کے باوجود اس کو نہ روکیں اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے اُنہیں عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(3) ... حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''خدا کی قسم! تم ضرور نیکی کی دعوت دیتے رہنا اور برائی سے منع کرتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اسے ضرور حق پر عمل کے لئے مجبور کرنا ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح بنی اسرائیل پر لعنت کی گئی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایک دوسرے کو نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اٰمین۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

"اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے ملک میں دبے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں تو اس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے زور دیا اور ستھری چیزیں تمہیں روزی دیں کہ کہیں تم احسان مانو۔

{وَاذْكُرُوْا: اور یاد کرو۔} اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور فتنے سے ڈرایا، اب اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمتیں یاد دلائیں چنانچہ ارشاد فرمایا: اے مہاجرین کے گروہ! یاد کرو، جب نبی کریم ﷺ کی بِعثَت سے پہلے تم تعداد میں کم تھے اور ابتدائے اسلام میں مکہ کی سرزمین پر تمہیں کمزور سمجھا جاتا تھا اور تم دوسرے شہروں میں سفر کرنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں کفار لوٹ نہ لیں، اللہ نے تمہیں مکہ سے مدینہ منتقل کر کے ٹھکانہ دیا اور تم کفار کے شر سے محفوظ ہو گئے اور اپنی مدد سے تمہیں قوت عطا کی کہ بدر کی جنگ میں کفار پر تمہاری ہیبت ڈال دی جس کے نتیجے میں تم اپنے سے تین گنا بڑے لشکر پر غالب آ گئے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا کہ تمہارے لئے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا جبکہ پہلی امتوں پر وہ حرام تھا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرو۔

نعمت کی ناشکری نعمت چھن جانے کا سبب ہے:

ہر دور میں اسی طرح اللہ تعالیٰ اجتماعی اور اِنفرادی طور پر مسلمانوں کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے، مصائب و آلام سے نجات دے کر راحت و آرام عطا کرتا ہے۔ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتے، یادِ خدا سے غفلت کو اپنا شعار بنا لیتے اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں مصروف ہو جاتے ہیں اور اپنے برے اعمال کی کثرت کی وجہ سے خود کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نااہل ثابت کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے اپنی دی ہوئی نعمتیں واپس لے لیتا ہے۔ عالمی سطح پر عظیم سلطنت رکھنے کے بعد مسلمانوں کا زوال، عزت کے بعد ذلت، فتوحات کے بعد موجودہ شکست وغیرہ اس چیز کی واضح مثالیں موجود ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ جان بوجھ کر اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ: **{اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔}** فرائض چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ سے خیانت کرنا ہے اور سنت کو ترک کرنا رسول اللہ ﷺ سے خیانت کرنا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت حضرت ابولبابہ انصاری کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم نے بنو قریظہ کے یہودیوں کا دو ہفتے سے زیادہ عرصے تک محاصرہ فرمایا، وہ اس محاصرہ سے تنگ آ گئے اور اُن کے دل خائف ہو گئے تو اُن سے اُن کے سردار کعب بن اسد نے یہ کہا کہ اب تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس شخص یعنی نبی کریم کی تصدیق کرو اور ان کی بیعت کر لو کیونکہ خدا کی قسم! یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ نبی مُرسَل ہیں اور یہ وہی

رسول ہیں جن کا ذکر تمہاری کتاب میں ہے، ان پر ایمان لے آئے تو جان مال، اہل و اولاد سب محفوظ رہیں گے۔ اس بات کو قوم نے نہ مانا تو کعب نے دوسری صورت پیش کی اور کہا کہ تم اگر اسے نہیں مانتے تو آؤ پہلے ہم اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں پھر تلواریں کھینچ کر محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور اُن کے صحابۂ کرام کے مقابلے میں آجائیں تاکہ اگر ہم اس مقابلے میں ہلاک بھی ہو جائیں تو ہمارے ساتھ اپنے اہلِ خانہ اور اولاد کا غم تو نہ رہے گا۔ اس پر قوم نے کہا کہ بیوی بچوں کے بعد جینا ہی کس کام کا؟ کعب نے کہا: یہ بھی منظور نہیں ہے تو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے صلح کی درخواست کرو شاید اس میں کوئی بہتری کی صورت نکلے۔ انہوں نے تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے صلح کی درخواست کی لیکن حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کے سوا اور کوئی بات منظور نہ فرمائی کہ اپنے حق میں حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ کو منظور کریں۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ ہمارے پاس حضرت ابولبابہ کو بھیج دیجئے کیونکہ حضرت ابولبابہ سے اُن کے تَعلُّقات تھے اور حضرت ابولبابہ کا مال اور اُن کی اولاد اور اُن کے عیال سب بنو قریظہ کے پاس تھے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ابولبابہ کو بھیج دیا، بنو قریظہ نے اُن سے رائے دریافت کی کہ کیا ہم حضرت سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور کرلیں کہ جو کچھ وہ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمیں قبول ہو۔ حضرت ابولبابہ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ یہ تو گلے کٹوانے کی بات ہے۔ حضرت ابولبابہ کہتے ہیں کہ میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائے تھے کہ میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ مجھ سے اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خیانت واقع ہوئی، یہ سوچ کر وہ تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں تو نہ آئے، سیدھے مسجد شریف پہنچے اور مسجد شریف کے ایک ستون سے اپنے آپ کو بندھوا لیا اور اللہ کی قسم کھائی کہ نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے یہاں تک کہ مر جائیں یا اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے۔ وقتاً فوقتاً ان کی زوجہ آکر انہیں نمازوں کے لئے اور طبعی حاجتوں کے لئے کھول دیا کرتی تھیں اور پھر باندھ دیئے جاتے تھے۔ حضور انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ ابولبابہ میرے پاس آتے تو میں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا لیکن جب اُنہوں نے یہ کیا ہے تو میں انہیں نہ کھولوں گا جب تک اللہ اُن کی توبہ قبول نہ کرے۔ وہ سات روز بندھے رہے اور نہ کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کی، صحابۂ کرام نے اُنہیں توبہ قبول ہونے کی بشارت دی۔ تو اُنہوں نے کہا: خدا کی قسم! جب تک رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مجھے خود نہ کھولیں تب تک میں نہ کھولوں گا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اُنہیں اپنے دستِ مبارک سے کھول دیا۔ حضرت ابولبابہ نے عرض کی: میری توبہ اُس وقت پوری ہو گی جب میں اپنی قوم کی بستی چھوڑ دوں جس میں مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی اور میں اپنا پورا مال اپنی ملک سے نکال دوں۔ سیِّدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے۔ اُن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قوم کے راز دوسری قوم تک پہنچانا سخت جرم ہے۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (۲۸)

اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

{ وَاعْلَمُوْۤا: اور جان لو۔} اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت اور اولاد کی جو نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں وہ تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے یہ ظاہر فرما دے کہ تم مال اور اولاد میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کس طرح ادا کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے میں مال اور اولاد کی محبت تمہارے لئے رکاوٹ بنتی ہے یا نہیں اور اس بات پہ یقین رکھو کہ اپنے مال اور اولاد میں جتنا تم اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہو اس کا ثواب اللہ ہی کے پاس ہے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تاکہ آخرت میں تمہیں بے شمار اجر دیا جائے۔

دسواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 29 تا 31)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو اگر اللہ سے ڈروگے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کرلو اور تمہاری برائیاں اتار دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

{ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ: **اگر تم اللہ سے ڈروگے۔**} جو شخص رب تعالیٰ سے ڈرے اور اس کے حکم پر چلے **اللہ** تعالیٰ اسے تین خصوصی انعام عطا فرمائے گا۔

پہلا انعام یہ کہ اسے فُرقان عطا فرمائے گا۔ یعنی **اللہ** تعالیٰ اس کے دل کو ایسا نور اور توفیق عطا کرے گا جس سے وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرلیا کرے۔

مومن کی فراست:

مومن کی فراست کے بارے میں حضرت ابو امامہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "مومن کی فراست و دانائی سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنی کے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی بارگاہ میں حاضری کے لئے جارہا تھا کہ راستے میں ایک اجنبیہ عورت پر اس کی نگاہ پڑ گئی۔ جب حضرت عثمان غنی کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا: ہمارے پاس بعض حضرات اس حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھ میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ اس شخص نے عرض کی: کیا ابھی وحی بند نہیں ہوئی؟ فرمایا: یہ وحی نہیں بلکہ مومن کی فراست ہے۔

دوسرا انعام یہ کہ اس کے سابقہ گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور **تیسرا انعام** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو چھپالے گا۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

"اور اے حبیب! یاد کرو جب کافروں نے تمہارے خلاف سازش کی کہ تمہیں باندھ دیں یا تمہیں شہید کردیں یا تمہیں نکال دیں اور وہ اپنی سازشیں کررہے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرمارہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔

{وَاِذْ: **اور اے محبوب یاد کرو۔**} آیت میں اُس واقعے کا ذکر ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباس نے ذکر فرمایا کہ کفارِ قریش دارُ النَّدوہ (یعنی کمیٹی گھر) میں رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے اور ابلیس لعین ایک بڈھے کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں نجد کا شیخ ہوں، مجھے تمہارے اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو میں آیا، مجھ سے تم کچھ نہ چھپانا میں تمہارا رفیق ہوں اور اس معاملہ میں بہتر رائے سے تمہاری مدد کروں گا۔ انہوں نے اس کو شامل کرلیا اور تاجدارِ رسالت ﷺ کے متعلق رائے زنی شروع ہوئی۔ ابو البختری نے کہا کہ "میری رائے یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کو پکڑ کر ایک مکان میں قید کردو اور مضبوط بندشوں سے باندھ کر دروازہ بند کردو، صرف ایک سوراخ چھوڑ دو جس سے کبھی کبھی کھانا پانی دیا جائے اور وہیں وہ ہلاک ہو کر رہ جائیں۔ اس پر شیطان لعین جو شیخِ نجدی بنا ہوا تھا بہت ناخوش ہوا اور کہا: بڑی ناقص رائے ہے، جب یہ خبر مشہور ہوگی تو اُن کے اصحاب آئیں گے اور تم سے مقابلہ کریں گے اور انہیں تمہارے ہاتھ سے چھڑا لیں گے۔ لوگوں نے کہا: شیخِ نجدی ٹھیک کہتا ہے۔ پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا، اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ان کو (یعنی محمد ﷺ کو) اونٹ پر سوار کرکے اپنے شہر سے نکال دو، پھر وہ جو کچھ بھی کریں اس سے تمہیں کچھ ضرر نہیں۔ ابلیس نے اس رائے کو بھی ناپسند کیا اور کہا: جس شخص نے تمہارے ہوش اُڑا دیئے اور تمہارے دانشمندوں کو حیران بنا دیا اس کو تم

دوسروں کی طرف بھیجتے ہو! تم نے اس کی شیریں کلامی نہیں دیکھی ہے ؟اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دوسری قوم کے دلوں کو تسخیر کر کے ان لوگوں کے ساتھ تم پر چڑھائی کر دیں گے۔ اہلِ مجمع نے کہا: شیخِ نجدی کی رائے ٹھیک ہے۔ اس پر ابو جہل کھڑا ہوا اور اس نے یہ رائے دی کہ قریش کے ہر ہر خاندان سے ایک ایک عالی نسب جوان منتخب کیا جائے اور ان کو تیز تلواریں دی جائیں، وہ سب یکبارگی حضور ﷺ پر حملہ آور ہو کر قتل کر دیں تو بنی ہاشم قریش کے تمام قبائل سے نہ لڑ سکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ انہیں خون کا معاوضہ دینا پڑے گا اور وہ دے دیا جائے گا۔ ابلیس لعین نے اس تجویز کو پسند کیا اور ابو جہل کی بہت تعریف کی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ حضرت جبریل نے سرکارِ کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ پیش کیا اور عرض کی کہ حضور! رات کے وقت اپنی خواب گاہ میں نہ رہیں، اللہ تعالیٰ نے اِذن دیا ہے، آپ مدینہ طیبہ کا عزم فرمائیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کو رات میں اپنی خواب گاہ میں رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہماری چادر شریف اوڑھ لو تمہیں کوئی ناگوار بات پیش نہ آئے گی اور حضور انور ﷺ دولت سرائے اقدس سے باہر تشریف لائے اور ایک مشت خاک دستِ مبارک میں لی اور آیت " اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا" پڑھ کر مُحاصَرہ کرنے والوں پر ماری، سب کی آنکھوں اور سروں پر پہنچی، سب اندھے ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ کو نہ دیکھ سکے۔ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کے ہمراہ غارِ ثور میں تشریف لے گئے اور حضرت علی المرتضیٰ کو لوگوں کی امانتیں پہنچانے کے لئے مکہ مکرمہ میں چھوڑا۔ مشرکین رات بھر سیّدِ عالم ﷺ کے دولت سرائے اقدس کا پہرہ دیتے رہے، صبح کے وقت جب قتل کے ارادہ سے حملہ آور ہوئے تو دیکھا کہ بستر پر حضرت علی ہیں۔ ان سے حضور ﷺ کے بارے میں دریافت کیا کہ کہاں ہیں تو انہوں نے فرمایا: ہمیں معلوم نہیں۔ کفارِ قریش تلاش کے لئے نکلے، جب غارِ ثور پر پہنچے تو مکڑی کے جالے دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر اس میں داخل ہوتے تو یہ جالے باقی نہ رہتے۔ حضور ﷺ اس غار میں تین دن ٹھہرے پھر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۙ-اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ(۳۱)

"اور جب ان کے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں: بیشک ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہتے تو ایسا (کلام) ہم بھی کہہ دیتے، یہ صرف پہلے لوگوں کی داستانیں ہیں۔

{ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا: اور جب ان کے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے۔}

شانِ نزول: یہ آیت قبیلہ بنو عبد الدار کے ایک شخص نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ نضر بن حارث ایک تاجر تھا اور وہ تجارت کے لئے فارس، حیرہ اور دیگر ممالک کا سفر کرتا تھا، اس نے وہاں کے باشندوں سے رستم، اسفندیار اور دیگر عجمیوں کے قصے سن رکھے تھے اور یہودی و عیسائی عبادت گزاروں کو تورات و انجیل کی تلاوت کرتے، رکوع و سجود کرتے اور گریہ وزاری کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب نضر بن حارث مکہ مکرمہ آیا تو اسے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے، یہ قرآن کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ اس نے کہا: جو کلام محمد (ﷺ) پیش کرتے ہیں اس جیسا تو ہم نے سنا ہوا ہے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا ہی کلام کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کا یہ مقولہ بیان کیا کہ اس میں اُن کی کمال درجے کی بے شرمی و بے حیائی ہے۔ قرآنِ پاک کی تحدّی فرمانے اور فُصحائے عرب کو قرآنِ کریم کے مثل ایک سورت بنالانے کی دعوتیں دینے اور ان سب کے عاجز رہ جانے کے بعد یہ کلمہ کہنا اور ایسا باطل دعویٰ کرنا نہایت ذلیل حرکت ہے۔

گیارہواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 32 تا 34)

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور جب انہوں نے کہا: اے اللہ اگر یہ (قرآن) ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔

{وَ اِذْ قَالُوا: اور جب انہوں نے کہا۔} حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں "جب رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ امتوں کے واقعات بیان فرمائے تو نضر بن حارث نے کہا: اگر میں چاہوں تو اس جیسے واقعات کہہ سکتا ہوں۔ حضرت عثمان بن مظعون نے نضر بن حارث سے فرمایا: تو اللہ تعالیٰ سے ڈر، رسولِ خدا ﷺ حق بات ارشاد فرماتے ہیں۔ نضر بن حارث نے کہا: میں بھی سچی بات کہتا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا: نبی اکرم "لا الہ الا اللہ" کہتے ہیں۔ نضر بن حارث نے کہا: میں بھی "لا الہ الا اللہ" کہتا ہوں لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ پھر نضر بن حارث نے دعا مانگی کہ اے اللہ! جو قرآن محمد (ﷺ) لائے ہیں اگر یہ ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ نضر بن حارث وہ بدبخت کافر ہے کہ جس کی مذمت میں قرآنِ پاک کی دس آیات نازل ہوئیں اور غزوۂ بدر کے دن سرکارِ عالی وقار ﷺ کے دستِ اقدس سے جہنم واصل ہوا۔

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ یہ دعا ابو جہل نے مانگی تھی۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے جب تک اے حبیب! تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں جبکہ وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔

{وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے۔} ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ جس عذاب کا کفار نے سوال کیا وہ عذاب انہیں دے جب تک اے حبیب! ﷺ تم ان میں تشریف فرما ہو، کیونکہ آپ رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہو اور سنتِ الٰہیہ یہ ہے کہ جب تک کسی قوم میں اس کے نبی موجود ہوں ان پر عام بربادی کا عذاب نہیں بھیجتا کہ جس سے سب کے سب ہلاک ہو جائیں اور کوئی نہ بچے۔

مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت سرکارِ دو عالم ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ پھر جب آپ نے ہجرت فرمائی اور کچھ مسلمان رہ گئے جو استغفار کیا کرتے تھے تو جب تک استغفار کرنے والے ایماندار موجود ہیں اس وقت تک بھی عذاب نہ آئے گا۔ نازل ہوئی۔ پھر جب وہ حضرات بھی مدینہ طیبہ کو روانہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فتحِ مکہ کا اذن دیا اور یہ عذاب مَوعود آگیا جس کی نسبت اگلی آیت میں فرمایا "وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ"۔ حضرت محمد بن اسحاق نے فرمایا کہ "مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ" بھی کفار کا مقولہ ہے جو ان سے حکایۃً ذکر کیا گیا، اللہ نے اُنکی جہالت کا ذکر فرمایا کہ اس قدر احمق ہیں کہ آپ ہی تو یہ کہتے ہیں کہ یارب اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر نازل کر اور آپ ہی یہ کہتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ) جب تک آپ ہیں عذاب نازل نہ ہو گا کیونکہ کوئی اُمت اپنے نبی کی موجودگی میں ہلاک نہیں کی جاتی۔

عذاب سے امن میں رہنے کا ذریعہ:

علامہ علی بن محمد خازن فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوا کہ استغفار عذاب سے امن میں رہنے کا ذریعہ ہے۔

احادیث میں استغفار کے بہت فضائل بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے 3 احادیث درج ذیل ہیں:

(1) ... حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے، سرکارِ عالی وقار، مدینے کے تاجدار مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت کے لئے مجھ پر دو امن (والی آیات) اتاری ہیں، ایک "وَمَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ" اور دوسری "وَمَاكَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" جب میں اس دنیا سے پردہ کرلوں گا تو قیامت تک کے لئے استغفار چھوڑ دوں گا۔

(2)... حضرت ابو سعید سے روایت ہے، حضور سید المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: شیطان نے کہا: اے میرے رب! تیری عزت و جلال کی قسم! جب تک تیرے بندوں کی روحیں ان کے جسموں میں ہیں، میں انہیں بھٹکاتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میری عزت و جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے استغفار کریں گے تو میں انہیں بخشتا رہوں گا۔

(3)... حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے، اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: جس نے استغفار کو اپنے لئے ضروری قرار دیا تو اللہ تعالیٰ اسے ہر غم اور تکلیف سے نجات دے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔34

اور انہیں کیا ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ یہ مسجدِ حرام سے روک رہے ہیں اور یہ اِس کے اہل ہی نہیں، اس کے اہل تو پرہیز گار ہی ہیں مگر ان میں اکثر جانتے نہیں۔

{ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمْ: **اور انہیں کیا ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے۔**} اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک میرا حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان میں تشریف فرما ہے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا اور اس آیت میں فرمایا کہ انہیں عذاب دے گا۔ تو اس آیت کا معنی یہ ہوا جب اللہ ان کے بیچ سے چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں عذاب سے مراد (قتل اور قید ہونے کا) وہ عذاب ہے جو بدر کے دن انہیں پہنچا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عذاب ہے جو فتحِ مکہ کے دن انہیں پہنچا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور جس عذاب کی ان سے نفی کی گئی ہے اس سے دنیاوی عذاب مراد ہے۔ ان کفار کو عذاب دیئے جانے کا سبب یہ ہے کہ یہ مسجدِ حرام سے روک رہے ہیں اور مومنین کو طوافِ کعبہ کے لئے نہیں آنے دیتے جیسا کہ واقعہ حُدَیبیہ کے سال رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور آپ کے اصحاب کو روکا۔

{وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ: **اور یہ اِس کے اہل ہی نہیں۔**} کفار یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم خانہ کعبہ اور حرم شریف کے مُتَوَلّی ہیں تو ہم جسے چاہیں اس میں داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں ارشاد فرمایا کہ یہ مسجدِ حرام کے اہل نہیں اور کعبہ کے اُمور میں تصرُّف و انتظام کا کوئی اختیار نہیں رکھتے کیونکہ یہ مشرک ہیں، مسجدِ حرام کا متولی ہونے کے اہل تو پرہیز گار ہی ہیں۔

بارہواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 35 تا 39)

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز صرف سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہی تھا تو اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔

{ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً: **اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز صرف سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہی تھا۔**} حضرت عبد اللہ بن

HAFIZ M ASUBHAN LECT. GC&PGC

عباس فرماتے ہیں کہ کفارِ قریش ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور ان کا یہ فعل یا تو اس باطل عقیدے کی وجہ سے تھا کہ سیٹی اور تالی بجانا عبادت ہے اور یا اس شرارت کی وجہ سے کہ اُن کے اِس شور سے تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو نماز میں پریشانی ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ۬ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَۙ(۳۶)

بیشک کافر اپنے مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں تو اب مال خرچ کریں گے پھر وہی مال ان پر حسرت و ندامت ہو جائیں گے پھر یہ مغلوب کر دیے جائیں گے اور کافروں کو جہنم کی طرف چلایا جائے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ: **بیشک کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔}** اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار اپنا مال مشرکین کو اس لئے دیتے ہیں تا کہ وہ اس مال کے ذریعے قوت حاصل کر کے اللہ و رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا یہ مال خرچ کرنا عنقریب ان کے لئے ندامت کا سبب ہو گا کیونکہ ان کے اموال تو خرچ ہو جائیں گے لیکن ان کی آرزو پوری نہ ہو گی۔ اللہ کے نور کو بجھا دینا اور کفر کے کلمے کو اللہ کے کلمے پر بلند کرنا ان کی خواہش ہے لیکن اللہ اپنے کلمہ کو بلند اور کفر کے کلمے کو پست کرتا ہے پھر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرماتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کافروں کو جہنم میں جمع فرمائے گا اور انہیں عذاب دے گا۔

شانِ نزول: یہ آیت کفارِ قریش کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے جنگِ بدر کے موقع پر کفار کے لشکر کا کھانا اپنے ذمہ لیا تھا، یہ کل بارہ اَشخاص تھے جن میں سے ہر شخص لشکر کو روزانہ دس اونٹ ذبح کر کے کھلاتا تھا۔ ان بارہ افراد میں سے دو اشخاص حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت حکیم بن حزام بعد میں ایمان لے آئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ابو سفیان کے بارے میں نازل ہوئی، ابو سفیان نے جنگِ احد کے موقع پر دو ہزار کفار کو کرایہ پر جنگ کے لئے تیار کیا اور ان پر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جنگِ بدر کی شکست کے بعد مقتولین کے اہلِ خانہ نے ابو سفیان کے تجارتی قافلے میں شریک تاجروں کو اپنا مال مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور تمام تاجر کفار اس بات پر راضی ہو گئے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَ یَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۠(۳۷) قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَۚ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ 38

"تا کہ اللہ خبیث کو پاکیزہ سے جدا کر دے اور خبیثوں کو ایک دوسرے کے اوپر کر کے سب کو ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دے، وہی نقصان پانے والے ہیں۔ تم کافروں سے فرماؤ کہ اگر وہ باز آ گئے تو جو پہلے گزر چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ دوبارہ (لڑائی) کریں گے تو پہلے لوگوں کا دستور گزر چکا۔

{ لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ: **تا کہ اللہ خبیث کو پاکیزہ سے جدا کر دے۔}** اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو خبیث اور مؤمنین کو طیب کہہ کر دونوں میں فرق بیان فرمایا ہے اور آخرت میں ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنت اور کفار کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

{ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا: **تم کافروں سے فرماؤ۔}** اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے حبیب! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آپ ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں سے فرما دیجئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے باز آ جائیں اور دینِ اسلام میں داخل ہو کر دینِ اسلام کو مضبوطی سے تھام لیں تو اللہ تعالیٰ ان کا کفر اور اسلام سے پہلے کے گناہ معاف فرما دے گا اور اگر وہ اپنے کفر پر قائم رہے، آپ کے اور مسلمانوں کے خلاف پھر جنگ کی تو اس معاملے میں اللہ کی سنت گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ہلاک فرما دیتا ہے اور اپنے اَنبیاء و اَولیاء کی مدد فرماتا ہے جیسے پچھلی امتوں کے

کفار نے جب اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا، ان کی نصیحت قبول کرنے کی بجائے سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرتناک عذاب میں مبتلا کر دیا، یونہی جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور مشرکوں کو شکست و رسوائی سے دوچار کیا وہ پھر ایسا ہی کرے گا۔

کافر توبہ کرے تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر جب کفر سے باز آئے اور اسلام قبول کر لے تو اس کا پہلا کفر اور حالتِ کفر میں کئے گئے گناہ سب معاف ہو جاتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب عمرو بن عاص اسلام قبول کرنے کے لئے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کا دستِ اقدس تھام کر عرض کی کہ میں اس شرط پر اسلام قبول کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے، تو رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام قبول کرنا سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

تیرہواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 40، 41)

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مددگار ہے، کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار۔

{ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ: اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے۔} اس آیت اور اس کے بعد والی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو یہاں تک کہ شرک کا غلبہ نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کا دین اسلام غالب ہو جائے، پھر اگر وہ اپنے کفر سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے کام دیکھ رہا ہے، وہ انہیں اس کی اور ان کے اسلام لانے کی جزا دے گا اور اگر یہ لوگ ایمان لانے سے روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے، تم اسی کی مدد پر بھروسہ رکھو اور ان کی دشمنی کی پرواہ نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

جہاد کے 2 فضائل:

اس آیت میں جہاد کا ذکر ہوا اس مناسبت سے یہاں جہاد کے دو فضائل ملاحظہ ہوں،

(1)... حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک گھڑی ٹھہرنا حجرِ اسود کے پاس شبِ قدر میں قیام کرنے سے بہتر ہے۔

(2)... حضرت انس سے روایت ہے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "جو شخص میرے راستے میں جہاد کرتا ہے میں اس کا ضامن ہوں، اگر میں اس کی روح قبض کرتا ہوں تو اسے جنت کا وارث بناتا ہوں اور اگر واپس (گھر) لوٹاتا ہوں تو ثواب اور مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹاتا ہوں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

"اور جان لو کہ تم جو مالِ غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ کے لئے اور رسول کے لئے اور (رسول کے) رشتے داروں کیلئے اور یتیموں

اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے، اگر تم اللہ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر فیصلہ کے دن اتارا جس دن دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئی تھیں اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

{ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ: **اور جان لو کہ تم جو مالِ غنیمت حاصل کرو۔**} اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کا حکم اور اس کی تقسیم کا طریقہ بیان فرمایا ہے، اس کی وضاحت درج ذیل ہے۔

غنیمت کی تعریف:

وہ مال جسے مسلمان کفار سے جنگ میں قہر و غلبہ کے طور پر حاصل کریں اسے غنیمت کہتے ہیں اور جنگ کے بغیر جو مال کفار سے حاصل کیا جائے جیسے خراج اور جزیہ اس کو فَئے کہتے ہیں۔

مالِ غنیمت کی حِلّت اس اُمت کی خصوصیت ہے:

یاد رہے کہ مالِ غنیمت کا حلال ہونا رسول اللہ ﷺ کی امت کی خصوصیات میں سے ہے، سابقہ امتوں میں سے کسی کے لئے غنیمت کا مال حلال نہیں تھا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمت حلال نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضُعف و عجز دیکھ کر اسے ہمارے لیے حلال کر دیا۔

اور حضرت ابو امامہ سے روایت ہے، حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے تمام انبیاء سے افضل فرمایا'' یا ارشاد فرمایا ''میری امت کو تمام امتوں سے افضل کیا اور ہمارے لیے غنیمت حلال کی۔

مالِ غنیمت کا حکم اور اس کی تقسیم کا طریقہ:

مالِ غنیمت کے حکم اور اس کی تقسیم سے متعلق چند مسائل درج ذیل ہیں۔

(1) ...مالِ غنیمت میں سے خمس یعنی پانچواں خاص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کیلئے ہے، پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین پر تقسیم کر دیئے جائیں گے اور مالِ فَئے مکمل طور پر بیتُ المال میں رکھا جائے گا۔

(2)...رسولِ کریم ﷺ کے بعد اب حضورِ اقدس ﷺ اور آپ کے اہلِ قرابت کے حصے ساقط ہو گئے۔ اب مالِ غنیمت کا جو پانچواں حصہ نکالا جائے تو اس کے تین حصے کئے جائیں گے۔ ایک حصہ یتیموں کے لئے، ایک مسکینوں اور ایک مسافروں کے لئے اور اگر یہ تینوں حصے ایک ہی قسم مثلاً یتیموں یا مسکینوں پر خرچ کر دیئے جب بھی جائز ہے اور مجاہدین کو حاجت ہو تو ان پر خرچ کرنا بھی جائز ہے۔

(3)...بنی ہاشم و بنی مُطّلب کے یتیم اور مساکین اور مسافر اگر فقیر ہوں تو یہ لوگ دوسروں کی بہ نسبت خمس کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ اوقُفرا تو زکوٰۃ بھی لے سکتے ہیں لیکن یہ نہیں لے سکتے اور یہ لوگ غنی ہوں تو خمس میں ان کا کچھ حق نہیں۔

(4)... خمس کے علاوہ باقی چار حصے مجاہدین پر اس طرح تقسیم کئے جائیں گے کہ سوار کو پیدل کے مقابلے میں دگنا ملے گا یعنی ایک اس کا حصہ اور ایک گھوڑے کا اور گھوڑا عربی ہو یا کسی اور قسم کا سب کا ایک حکم ہے۔ لشکر کا سردار اور سپاہی دونوں برابر ہیں یعنی جتنا سپاہی کو ملے گا اتنا ہی سردار کو بھی ملے گا۔ اونٹ اور گدھے اور خچر کسی کے پاس ہوں تو ان کی وجہ سے کچھ زیادہ نہ ملے گا یعنی اسے بھی پیدل والے کے برابر ملے گا اور اگر کسی کے پاس چند گھوڑے ہوں جب بھی اتنا ہی ملے گا جتنا ایک گھوڑے کے لیے ملتا تھا۔

{یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ: **جس دن دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئی تھیں۔**} اس دن سے روزِ بدر مراد ہے اور دونوں فوجوں سے مسلمانوں اور کافروں کی

HAFIZ M.A. SUBHAN LECT. GDC & PGC

فوجیں مراد ہیں اور یہ واقعہ سترہ رمضان کو پیش آیا۔ صحابہ کرام کی تعداد تین سو دس سے کچھ زیادہ تھی اور مشرکین ہزار کے قریب تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہزیمت دی، ان میں سے ستر سے زیادہ مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔

چودھواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 42 تا 44)

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۙ(۴۲)

"جب تم قریب والی جانب تھے اور وہ کافر دور والی جانب تھے اور قافلہ تم سے نیچے والی طرف تھا اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے تو ضرور مدت کے بارے میں تمہارا اختلاف ہو جاتا لیکن کیونکہ اللہ نے اس کام کو پورا کرنا تھا جسے ہو کر ہی رہنا تھا تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ واضح دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی واضح دلیل سے زندہ رہے اور بیشک اللہ ضرور سننے والا جاننے والا ہے۔

{اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا: **جب تم قریب والی جانب تھے۔**} اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا لشکر بدر کی اس جانب تھا جو مدینہ طیبہ سے قریب تھی اور کفار کا لشکر وادیٔ بدر کی دوسری جانب تھا جو کہ مدینہ طیبہ سے دور تھی جبکہ ابوسفیان وغیرہ کا تجارتی قافلہ وادیٔ بدر کے نچلی جانب تین میل کے فاصلے پر ساحلِ سمندر کی طرف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پہلے سے وقت مقرر کئے بغیر کفار کے مقابلے میں لا کھڑا کیا، اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر مسلمان اور کفار جنگ کا کوئی وقت معین کر لیتے پھر مسلمان اپنی قلیل تعداد، بے سروسامانی، کفار کی کثیر تعداد اور ان کے سامان کی کثرت دیکھتے تو ہیبت وخوف کی وجہ سے ہمت ہار بیٹھتے اور میدانِ جنگ سے کترا کر نکل جاتے لیکن مدت مقرر کئے بغیر لڑائی اس لئے ہوگئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام و مسلمین کی مدد اور دشمنانِ دین کی ہلاکت کا کام پورا کرنا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وقت مقرر کئے بغیر ہی جمع کر دیا۔

{ لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ: **تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ واضح دلیل سے ہلاک ہو۔**} غزوۂ بدر کی ابتداء میں مسلمانوں کے لشکر کی حالت یہ تھی کہ مجاہدین اسباب کی کمی اور تیاری نہ ہونے کی وجہ سے خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا تھے، ان کی جائے قیام پانی سے دور تھی، زمین ریتلی ہونے کی وجہ سے اس میں پیر دھنس جاتے تھے، جبکہ لشکرِ کفار کا حال یہ تھا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، کھانے پینے کا سامان اور ہتھیار ان کے پاس وافر مقدار میں موجود تھے اور وہ پانی کے قریب ٹھہرے ہوئے تھے، ان کی زمین ریتلی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے چلنا آسان تھا مزید یہ کہ ان کے پیچھے ابوسفیان کا قافلہ تھا جس سے بوقتِ ضرورت انہیں مدد حاصل ہونے کی امید تھی یوں بظاہر حالات کافروں کے موافق اور مسلمانوں کے مخالف تھے۔ جب دونوں لشکروں کی آپس میں جنگ ہوئی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے نقشہ ہی بدل دیا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کو بہت بڑی فتح نصیب ہوئی اور کفار بدترین شکست سے دوچار ہوئے۔ مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست تاجدارِ انبیاء ﷺ کا عظیم معجزہ اور نبوت کے دعویٰ کی صداقت پر مضبوط دلیل ہے کیونکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں کو فتح کی بشارت دی اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ نیز مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ نے فتح کی بشارت اس وقت دی تھی کہ جب ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کی فتح کے کوئی آثار نہ تھے، یوں بدر کی فتح سے نبیٔ آخر الزّمان ﷺ کی نبوت کی سچائی ظاہر ہوگئی اور اسلام کی صداقت پر مضبوط دلیل قائم ہوگئی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اب جو کفر اختیار کر کے ہلاکت میں پڑے گا تو دلیل قائم ہونے اور حجت پوری ہو جانے کے بعد ہلاکت میں پڑے گا اور جو اسلام

قبول کر کے زندگی حاصل کرے گا تو وہ دلیل قائم ہونے کے بعد کرے گا۔

اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

(اے حبیب! یاد کرو) جب اللہ نے یہ کافر تمہاری خواب میں تمہیں تھوڑے کر کے دکھائے اور اگر وہ ان کو زیادہ کر کے تمہیں دکھاتا تو اے مسلمانو! تم ضرور بزدل ہو جاتے اور تم ضرور معاملے میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے سلامت رکھا، بیشک وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے۔

{ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا: (اے حبیب! یاد کرو) جب اللہ نے یہ کافر تمہاری خواب میں تمہیں تھوڑے کر کے دکھائے۔} یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی کہ نبی کریم ﷺ کو کفار کی تعداد تھوڑی دکھائی گئی اور آپ نے اپنا یہ خواب صحابۂ کرام سے بیان کیا تو اس سے ان کی ہمتیں بڑھیں اور اپنے ضعف و کمزوری کا اندیشہ نہ رہا اور انہیں دشمن پر جرأت پیدا ہوئی اور دل مضبوط ہوئے۔ انبیاء کا خواب حق ہوتا ہے، آپ کو کفار تھوڑے دکھائے گئے تھے اور ایسے کفار جو دنیا سے بے ایمان جائیں اور کفر ہی پر ان کا خاتمہ ہو وہ تھوڑے ہی تھے کیونکہ جو لشکر مقابلے میں آیا تھا اس میں کثیر لوگ وہ تھے جنہیں اپنی زندگی میں ایمان نصیب ہوا اور خواب میں قِلَّت کی تعبیر ضُعف سے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب فرما کر کفار کا ضعف ظاہر کر دیا۔

وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

اور جب لڑتے وقت تمہیں کافر تھوڑے کر کے دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا کیا کہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے اور اللہ کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔

{ وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا: اور (اے مسلمانو! یاد کرو) جب لڑتے وقت اللہ نے تمہیں وہ کافر تمہاری نگاہوں میں تھوڑے کر کے دکھائے۔} بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کئی طرح کے انعامات فرمائے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار بہت تھوڑے کر کے دکھائے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہماری نگاہوں میں اتنے کم لگے کہ میں نے اپنے برابر والے ایک شخص سے کہا کہ تمہارے گمان میں کافر ستر ہوں گے اس نے کہا کہ میرے خیال میں سو ہیں حالانکہ وہ ایک ہزار تھے۔ اور کافروں کی نظروں میں مسلمانوں کو بہت تھوڑا کر کے دکھایا یہاں تک کہ ابو جہل نے کہا کہ ”انہیں رسیوں میں باندھ لو، گویا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت کو اتنا قلیل دیکھ رہا تھا کہ مقابلہ کرنے اور جنگ آزما ہونے کے لائق بھی خیال نہیں کرتا تھا۔ مسلمانوں کو مشرکین تھوڑے دکھانے میں حکمت یہ تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ کے خواب کی صداقت ظاہر ہو جائے، مسلمانوں کے دل مضبوط ہو جائیں اور کفار پر ان کی جرأت بڑھ جائے جبکہ مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد تھوڑی دکھانے میں یہ حکمت تھی کہ مشرکین مقابلہ پر جم جائیں، بھاگ نہ پڑیں اور یہ بات ابتداء میں تھی، مقابلہ ہونے کے بعد انہیں مسلمان بہت زیادہ نظر آنے لگے۔

{ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا: تاکہ اللہ اس کام کو پورا کرے جسے ہو کر ہی رہنا ہے۔} یعنی اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کی نصرت اور شرک کا اِبطال اور مشرکین کی ذلت اور رسول کریم ﷺ کے معجزے کا اظہار کہ جو فرمایا تھا وہ ہوا کہ قلیل جماعت بھاری لشکر پر فتح یاب ہوئی۔

سورۂ انفال (آیت نمبر 45 تا 48)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

"اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ فلاح پاؤ۔"

{ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا: **جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔**} اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو بیان فرمایا جو اس نے جنگِ بدر میں اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ان کے صحابہ کرام کو عطا فرمائی تھیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کے دو آداب تعلیم فرمائے ہیں۔

پہلا ادب: جنگ میں ثابت قدم رہنا۔ ابتداءً مسلمانوں کو جنگ یا کسی بھی آزمائش کی تمنا نہیں کرنی چاہئے لیکن جب ان پر جنگ مُسلَّط ہو جائے تو اب ان پر لازم ہے کہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں اور بزدلی نہ دکھائیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم دشمنوں سے مقابلے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو یاد کرو۔(1) اور جنگ میں ثابت قدم رہنے کی فضیلت کے بارے میں حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دشمن کے مقابلے میں صبر کیا یہاں تک کہ وہ شہید کر دیا گیا یا اس نے دشمنوں کو قتل کر دیا تو وہ فتنۂ قبر میں مبتلا نہ ہو گا۔

دوسرا ادب: لڑائی کے دوران کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ دورانِ جنگ دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور زبان پہ اللہ کا ذکر ہونا چاہئے۔ حضرت ابو مجلز فرماتے ہیں "جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دشمن سے مقابلہ کرتے تو یوں دعا مانگتے "اے اللہ! تو میری طاقت اور مددگار ہے، میں تیری مدد سے پھرتا ہوں اور تیری مدد سے حملہ کرتا اور تیری مدد سے قِتال کرتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو انتہائی شدید حالت میں بھی ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ہر حال میں انسان کا دل اور اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ اگر ایک شخص مغرب سے مشرق تک اپنے اَموال کی سخاوت کرے اور دوسرا شخص مشرق سے مغرب تک تلوار سے جہاد کرتا جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والے کا درجہ اور اجر اِن سے زیادہ ہو گا۔

یاد رہے کہ دورانِ جنگ زیادہ تر ذکر زبان سے ہو گا کہ دل عام طور پر سامنے والے سے مقابلے میں مشغول ہوتا ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں بے اتفاقی نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا (قوت) اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

{وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: **اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔**} اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت کا حکم ہمیشہ کیلئے ہے۔

اور اس آیت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ تمام معاملات میں خصوصاً جہاد اور دشمن سے مقابلے کے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے میں اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت کریں اور باہمی اختلافات سے بچیں جیسا کہ اُحد میں بعض مسلمانوں نے بعض کی مخالفت کی، کیونکہ باہمی تنازع ضعف و کمزوری اور بے وقاری کا سبب ہے۔

مسلمان باہمی اختلاف سے بچیں اور اتحاد کا راستہ اختیار کریں:

اس آیت کا حکم تو جنگ کے بارے میں ہے لیکن عمومی حالات میں بھی مسلمانوں کو باہمی اختلاف سے بچنا چاہیے اور اتفاق و اتحاد کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ کفار کے ممالک تو آپس میں متحد ہیں لیکن افسوس کہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد نظر نہیں آتا بلکہ ان کا حال یہ ہو چکا ہے کہ اگر کفار کسی مسلمان ملک پر ظلم و ستم کریں تو دوسرے ملک کے مسلمان اپنے مسلم بھائیوں کا ساتھ دینے اور ان کافروں کے خلاف بر سر پیکار ہونے کی بجائے وہ بھی کافروں کا ساتھ دیتے ہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اور ان لوگوں جیسا نہ ہونا جو اپنے گھروں سے اِتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاوا کرتے ہوئے نکلے اور وہ اللہ کے راستے سے روک رہے تھے اور اللہ ان کے تمام اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔

{ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ: اور ان لوگوں جیسا نہ ہونا۔} شانِ نزول: یہ آیت ان کفارِ قریش کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں بہت اتراتے اور تکبر کرتے ہوئے آئے تھے۔ جب یہ لوگ آئے تو سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعا کی: یارب! ، یہ قریش آگئے، تکبر و غرور میں سرشار اور جنگ کے لئے تیار ہیں، تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ یارب! اب وہ مدد عنایت ہو جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ قافلہ کو کوئی خطرہ نہیں رہا تو انہوں نے قریش کے پاس پیام بھیجا کہ تم قافلہ کی مدد کے لئے آئے تھے، اب اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے لہٰذا واپس چلے جاؤ۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ ’’خدا کی قسم! ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ ہم بدر میں اتریں، تین دن قیام کریں، اونٹ ذبح کریں، بہت سے کھانے پکائیں، شرابیں پئیں، کنیزوں کا گانا بجانا سنیں، عرب میں ہماری شہرت ہو اور ہماری ہیبت ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا جب وہ بدر میں پہنچے تو شراب کے جام کی جگہ انہیں ساغرِ موت پینا پڑا اور کنیزوں کے ساز و نَوا کی جگہ رونے والیاں انہیں روئیں اور اونٹوں کے ذبح کی جگہ ان کی گردنیں کٹیں۔

کافروں کی ریاکاری، فخر و غرور اور تکبر کے برے انجام سے مسلمان عبرت حاصل کریں:

اللہ تعالیٰ اس آیت میں مؤمنین کو حکم فرما رہا ہے کہ وہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور سمجھ لیں کہ فخر و ریا اور غرور و تکبر کا انجام انتہائی خراب ہے بندے کو اخلاص اور اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت کرنی چاہئے۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھائے اور شیطان نے کہا: آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور بیشک میں تمہارا مددگار ہوں پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو شیطان الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا: بیشک میں تم سے بیزار ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

{ وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ: **اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھائے۔**} اس آیت میں بیان کئے گئے واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ شیطان نے کفار کی نگاہ میں ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھائے اور رسولِ کریم ﷺ کی عداوت اور مسلمانوں کی مخالفت میں جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس پر ان کی تعریفیں کیں اور انہیں خبیث اعمال پر قائم رہنے کی رغبت دلائی اور جب قریش نے بدر میں جانے پر اتفاق کر لیا تو انہیں یاد آیا کہ ان کے اور قبیلہ بنی بکر کے درمیان دشمنی ہے، ممکن تھا کہ وہ یہ خیال کر کے واپسی کا ارادہ کرتے اور یہ شیطان کو منظور نہ تھا، اس لئے اس نے یہ فریب کیا کہ وہ بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت میں نمودار ہوا اور ایک لشکر اور ایک جھنڈا ساتھ لے کر مشرکین سے آملا اور ان سے کہنے لگا کہ میں تمہارا ذمہ دار ہوں آج تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں جب مسلمانوں اور کافروں کے دونوں لشکر صف آراء ہوئے اور رسولِ کریم ﷺ نے ایک مشت خاک مشرکین کے منہ پر ماری تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور حضرت جبریل ؑ ابلیس لعین کی طرف بڑھے جو سراقہ کی شکل میں حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا، ابلیس ہاتھ چھڑا کر اپنے گروہ کے ساتھ بھاگا۔ حارث پکار تا رہ گیا سراقہ! سراقہ! تم نے تو ہماری ضمانت لی تھی اب کہاں جاتے ہو؟ ابلیس کہنے لگا: بیشک میں تم سے بیزار ہوں اور امن کی جو ذمہ داری لی تھی اس سے سبک دوش ہوتا ہوں۔ اس پر حارث بن ہشام نے کہا کہ ہم تیرے بھروسے پر آئے تھے کیا تو اس حالت میں ہمیں رسوا کرے گا؟ کہنے لگا: میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے ہلاک نہ کر دے۔ جب کفار کو ہزیمت ہوئی اور وہ شکست کھا کر مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ ہماری شکست و ہزیمت کی وجہ سراقہ بنا ہے۔ سراقہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اسے بہت حیرت ہوئی اور اس نے کہا: یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ نہ مجھے ان کے آنے کی خبر، نہ جانے کی، تو قریش نے کہا: ”تو فلاں فلاں روز ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ یہ غلط ہے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا۔

سینتیسواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 49 تا 54)

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾

"جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈالا ہوا ہے اور جو اللہ پر توکل کرے تو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

{ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ: **جب منافق کہنے لگے۔**} **منافقین** سے مراد اوس اور خزرج قبیلے کے چند افراد ہیں اور **جن کے دلوں میں بیماری ہے** سے مراد مکہ مکرمہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کلمۂ اسلام تو پڑھ لیا تھا مگر ابھی تک ان کے دلوں میں شک و تردُّد باقی تھا۔ جب کفارِ قریش سیدِ عالم ﷺ سے جنگ کے لئے نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ بدر میں پہنچے۔ بدر میں جب انہوں نے مسلمانوں کی تعداد تھوڑی دیکھی تو ان کا شک مزید بڑھا اور وہ مرتد ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ مسلمان اتنی کم تعداد کے باوجود اپنے سے تین گنا بڑے لشکر سے جنگ کرنے لگے ہیں، انہیں ان کے دین اسلام نے دھوکے میں ڈالا ہوا ہے اور آخرت میں ثواب کی امید انہیں اپنی جانیں قربان کرنے پر ابھار رہی ہے۔ یہ تمام لوگ بدر میں مارے گئے تھے۔

{ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ: **اور جو اللہ پر توکل کرے۔**} ارشاد فرمایا کہ جو اللہ پر توکل کرے اور اپنا کام اس کے سپرد کر دے اور اس کے فضل و احسان پر مطمئن ہو تو بیشک اللہ تعالیٰ اس کا حافظ و ناصر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اللہ حکمت والا ہے، وہ اپنے دشمنوں کو

عذاب میں مبتلا کرتا اور اپنے اولیاء کو رحمت و ثواب عطا فرماتا ہے۔

صحابۂ کرام کے توکل کی تعریف:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی تعریف فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے اور اس کی قضا پر راضی ہو گئے تاکہ دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ان کی حمایت فرمائے اور اس میں دیگر مسلمانوں کے لئے بھی یہ تعلیم ہے کہ وہ بھی اپنے سب معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور اس کی قضا و تقدیر پر ہر دم راضی رہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾

"اور اگر آپ دیکھتے جب فرشتے کافروں کی ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے جان نکالتے ہیں اور (کہتے ہیں) آگ کا عذاب چکھو۔

{ وَلَوْ تَرٰى: اور اگر آپ دیکھتے۔} آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے حبیب! صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اگر آپ کافروں کی وہ حالت دیکھیں کہ جب موت کے وقت فرشتے کافروں کی روحیں نکالتے ہیں تو بڑا خوفناک منظر دیکھیں گے۔ فرشتے آگ میں سرخ کئے ہوئے لوہے کے گُرز کافروں کے چہرے اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ آگ کا عذاب چکھو اور گرزوں کی ضرب و مار سے جو زخم لگتا ہے اس میں آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۙ﴿۵۱﴾

"یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور ÇááÀ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔"

یعنی یہ مصیبتیں اور عذاب تمہارے اپنے کئے ہوئے کفر اور گناہوں کا بدلہ ہیں اور ÇááÀ تعالیٰ کسی پر جرم کے بغیر عذاب نہیں کرتا اور کافر پر عذاب کرنا عدل ہے۔ آیت میں "ظَلَّامٍ" سے مراد بہت ظلم کرنے والا نہیں بلکہ مُطْلَق ظلم کرنے والا مراد ہے اور معنی یہ ہوا کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

جیسا فرعونیوں اور ان سے پہلوں کا طریقہ وہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے تو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں پکڑ لیا، بیشک ÇááÀ بڑی قوت والا، سخت عذاب دینے والا ہے۔

{كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ: جیسا فرعونیوں کا طریقہ۔} اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں کفار کی ذلت آمیز شکست اور آخرت میں ان کے لئے سخت عذاب تیار کرنے کا ذکر فرمایا جبکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کفارِ قریش کو جو دنیا و آخرت میں عذاب دیا ہے وہ ان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ تمام کفار اور سب منکروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کافروں کی اپنے کفر و سرکشی میں عادت فرعون اور ان سے پہلوں کی طرح ہے تو جیسے فرعونیوں کو غرق کر کے ہلاک کیا اسی طرح یہ بھی غزوۂ بدر کے دن قتل اور قید میں مبتلا کئے گئے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں "آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو یقین کے ساتھ جان لیا پھر بھی ان کی تکذیب کی یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رسالت کو جان پہچان کر تکذیب کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۙ﴿۵۳﴾

"یہ اس وجہ سے ہے کہ ÇááÀ کسی نعمت کو ہرگز نہیں بدلتا جو اس نے کسی قوم کو عطا فرمائی ہو جب تک وہ خود ہی اپنی حالت کو نہ بدلیں اور بیشک اللہ

سننے والا جاننے والا ہے۔"

{ذٰلِکَ: یہ۔} یعنی کافروں کو عذاب دینے کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو جو نعمت عطا فرمائی ہے اسے ہر گز نہیں بدلتا جب تک وہ خود ہی اپنی حالت کو نہ بدلیں اور زیادہ بدتر حال میں مبتلا نہ ہوں جیسے اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو روزی دے کر بھوک کی تکلیف دور کی، امن دے کر خوف سے نجات دی اور ان کی طرف اپنے حبیب سید عالم ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث کیا، انہوں نے ان نعمتوں پر شکر کرنے کی بجائے یہ سرکشی کی کہ نبی کریم ﷺ کو جھٹلایا اور ان کی خوں ریزی کے درپے ہوئے اور لوگوں کو راہِ حق سے روکا۔

قوموں کے عروج وزوال سے متعلق قانونِ الٰہی:

قدرت کا یہ قانون ہے کہ کسی قوم کو نعمت دے کر اس وقت تک اس نعمت کو عذاب سے تبدیل نہیں کیا جاتا جب تک وہ قوم خود اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کرتی۔ گزری ہوئی اور موجودہ قوموں کے عروج وزوال کیلئے یہی اٹل قانون ہے کہ نعمت کا شکر اور حق ادا کرنے پر نعمت بڑھ جاتی ہے اور ناشکری کرنے پر سزا دی جاتی ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قدرت کا یہ قانون صرف کافر قوموں کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ مسلمان بھی اگر اُسی روش پر چلیں تو اللہ تعالیٰ ان سے بھی اپنی دی ہوئی نعمتیں واپس لے لیتا ہے اور انہیں بھی ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے جیسا کہ مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب کی معرفت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر اور ان کا حق ادا کرتے رہے تب تک عُروج کی ان مَنازل پر فائز رہے کہ دنیا کی بڑی بڑی سپر پاورز ان کے زیر نگیں رہیں اور کفار مسلمانوں کا نام سن کر لرزتے رہے اور جب سے مسلمانوں نے نعمت کے شکر اور اس کے حق کی ادائیگی سے منہ موڑا تب سے ان کی طاقت اور کافروں پر تَسَلُّط ختم ہونا شروع ہو گیا اور آج مسلمانوں کا دنیا بھر میں حال یہ ہے کافر انہیں برے سے برے نام سے یاد کرتے ہیں اور دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مسلم ملک ہو جو کافروں کا دست نگر نہ ہو۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾

"جیسا فرعونیوں اور ان سے پہلوں کا طریقہ، انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعونیوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔"

{ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ: **اور ان سے پہلوں کا طریقہ۔**} یعنی جو کفارِ مکہ بدر میں قتل ہوئے ان کا اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی نعمت کو بدلنا ویسا ہی ہے جیسا فرعونیوں اور ان سے پہلوں کا طریقہ تھا، انہوں نے اپنے رب اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب بعض کو زلزلے سے ہلاک کر دیا، بعض کو زمین میں دھنسا دیا، بعض پر پتھروں کی بارش برسائی، بعض کو تیز آندھی سے اور بعض کی شکلیں بگاڑ کر ہلاک کر دیا جبکہ فرعونیوں کو غرق کر دیا اسی طرح ہم نے کفارِ قریش کو تلوار سے ہلاک کر دیا۔

مردودوں اور مقبولوں کے واقعات پڑھنے کی ترغیب:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبرت کیلئے مردودوں کے تاریخی حالات پڑھنا ضروری ہے اسی طرح عبادت کا شوق پیدا کرنے کے لئے اولیاءِ کرام اور صالحین ومُتَّقِین کے واقعات کا مطالعہ کرنا بہت اچھا ہے۔

آڑ تیسواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 55 تا 58)

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

"بیشک جانوروں میں سب سے بدتر، اللہ کے نزدیک وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا تو وہ ایمان نہیں لاتے۔"

{اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ: بیشک جانوروں میں سب سے بدتر۔} یعنی اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے فیصلے میں جانوروں سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے کفر پر سختی سے قائم ہیں، کسی صورت کفر چھوڑنے پر تیار نہیں اور جب بھی ان سے عہد کیا جائے تو وہ عہد توڑ دیتے ہیں۔

کافر جانوروں سے بھی بدتر ہیں:

قرآنِ پاک میں اس کے علاوہ اور مقامات پر بھی کفار کو جانوروں سے زیادہ بھٹکے ہوئے، جانوروں سے بدتر گمراہ بلکہ تمام مخلوق سے بدتر فرمایا گیا، چنانچہ

ایک مقام پر ارشاد ہوا:

"اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ"

یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا"

یہ تو صرف جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ ہیں۔

اور ارشاد فرمایا

"اُولٰٓىٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ"

وہی تمام مخلوق میں سب سے بدتر ہیں۔

کافروں کے جانوروں سے بدتر ہونے کی وجوہات:

کفار کو جانوروں سے بھی بدتر فرمائے جانے کی مفسرین نے کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں، ان کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ جانور اللہ تعالیٰ کی آیات سننے، سمجھنے اور دیکھنے کی قوت سے خالی ہیں، اپنا نفع و نقصان پہچانتے ہیں اور اپنے مالک کی اطاعت کرتے ہیں جبکہ کفار اپنے اعضاء میں اللہ کی آیات سننے، سمجھنے اور دیکھنے کی قوت رکھنے کے باوجود ان سے کام نہیں لیتے، کفر اختیار کر کے خود اپنا نقصان کرتے ہیں اور اپنے مالک و مولیٰ کے نافرمان ہیں اس لئے سب جانوروں سے بدتر ہیں۔

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔

{اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ: وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔} شانِ نزول: "اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ" اور اس کے بعد کی آیتیں بنی قریظہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بنو قریظہ کے یہودیوں سے یہ معاہدہ تھا کہ وہ آپ سے لڑیں گے، نہ آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔ مشرکینِ مکہ نے جب رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جنگ کی تو اس وقت بنو قریظہ نے یہ عہد توڑا اور ہتھیاروں سے ان مشرکین کی مدد کی، پھر انہوں نے حضورِ

HAFIZ M.A.SUBHAN LECT. GDC & PG

اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے معذرت کی کہ ہم بھول گئے تھے اور ہم سے قصور ہوا اور دوبارہ عہد کیا، غزوۂ خندق کے دن حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خلاف کفار کا ساتھ دے کر انہوں نے اس عہد کو بھی توڑ دیا۔

{وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ: اور (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔} یعنی وہ نہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ عہد شکنی کے خراب نتیجے سے اور نہ اس سے شرماتے ہیں حالانکہ عہد شکنی ہر عقلمند کے نزدیک شرمناک جرم ہے اور عہد شکنی کرنے والا سب کے نزدیک بے اعتبار ہو جاتا ہے جب اس کی بے غیرتی اس درجہ تک پہنچ گئی تو یقیناً وہ جانوروں سے بدتر ہیں۔

عہد شکنی کی مذمت: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خواہ بندوں سے کیا ہوا جائز عہد توڑا جائے یا اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی جائے دونوں انتہائی مذموم ہیں اور احادیث میں بھی عہد شکنی کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے، چنانچہ 2 اَحادیث ملاحظہ ہوں

(1)... حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن تین شخصوں کا مدِّمقابل ہوں گا، ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ دے پھر عہد شکنی کرے۔ دوسرا وہ شخص جو آزاد کو بیچے پھر اس کی قیمت کھائے۔ تیسرا وہ شخص جو مزدور سے کام پورا لے اور اس کی مزدوری نہ دے۔

(2)... حضرت علی المرتضیٰ سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا "مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے، جو کسی مسلمان کا عہد توڑے تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی فرض عبادت قبول کی جائے گی اور نہ نفل۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عہد کی پاسداری کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اٰمین۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

"تو اگر تم انہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی مار مارو جس سے ان کے پیچھے والے (بھی) بھاگ جائیں، اس امید پر (مارو) کہ شاید انہیں عبرت ہو۔"

{ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ: تو اگر تم انہیں لڑائی میں پاؤ۔} یعنی وہ لوگ جنہوں نے عہد شکنی کی تم اگر انہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی مار مارو جس سے ان کے پیچھے والے بھی بھاگ جائیں اور ان کی ہمتیں توڑ دو اور ان کی جماعتیں مُنْتَشِر کر دو اور اس امید پر مارو کہ شاید انہیں عبرت ہو۔

سزاؤں کی حکمت: اس سے معلوم ہوا کہ جنگ میں ہر وہ جائز طریقہ استعمال کرنا درست ہے جو کفار کی ہمت توڑ دے۔ سزاؤں کے پیچھے اکثر و بیشتر یہی عوامِل کار فرما ہوتے ہیں کہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ ایسی حرکتیں نہ کریں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾

"اور اگر تمہیں کسی قوم سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف اس طرح پھینک دو کہ (دونوں علم میں) برابر ہوں بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

{ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً: اور اگر تمہیں کسی قوم سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو۔} اس آیت میں عام مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں سے خطاب ہے اور آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ معاہدے کے بعد جب کسی قوم کی طرف سے عہد شکنی کی علامات ظاہر ہوں تو عہد توڑنے کیلئے مسلمانوں کے امیر پر لازم ہے کہ انہیں بتا دے کہ آج کے بعد ہمارا تم سے معاہدہ ختم ہے اور ان پر حملہ کرنے سے پہلے انہیں جنگ کی اطلاع دے دے تاکہ یہ اس قوم سے بدعہدی کرنے والا شمار نہ ہو اور اگر ان کی عہد شکنی روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جائے تو عہد ختم ہونے اور جنگ کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ڈائریکٹ ان پر حملہ کر دیا جائے۔

HAFIZ M.ASUBHAN LECT.GDC&PGC

انتالیسواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 59 تا 64)

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ (۵۹)

"اور ہر گز کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے ہیں، بیشک وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔"

{ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا: **اور ہر گز کافر یہ خیال نہ کریں۔**} یعنی جو کفار جنگِ بدر سے بھاگ کر قتل اور قید سے بچ گئے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے وہ اپنے آپ کو ہماری قدرت اور پکڑ سے باہر نہ سمجھیں ہم ہر طرح پکڑنے پر قادر ہیں۔

کوئی خود کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے باہر نہ جانے:

اس آیت میں ان لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے جو بیماری، مصیبت اور کوئی آفت آنے کی صورت میں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی توبہ کرتے اور ساری زندگی گناہوں سے دور رہنے اور اطاعت و فرمانبرداری میں مصروف رہنے کا عہد کرتے ہیں لیکن جب تندرست ہو جاتے اور مصیبت و آفت سے باہر نکل آتے ہیں تو ان کے دوبارہ وہی پرانے لچھن شروع ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ بات اچھی طرح یاد رکھ لینی چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور پکڑ سے کسی صورت باہر نہیں نکل سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں ہر حال میں اور ہر طرح سے پکڑنے پر قادر ہے۔ مسلمان ایسا اعتقاد تو یقیناً نہیں رکھتا لیکن عمل کے معاملے میں بہر حال حالت بہتر نہیں۔

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (۶۰)

"اور ان کے لیے جتنی قوت ہو سکے تیار رکھو اور جتنے گھوڑے باندھ سکو تاکہ اس تیاری کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور جو اُن کے علاوہ ہیں انہیں ڈراؤ، تم انہیں نہیں جانتے اور اللہ انہیں جانتا ہے اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔"

{ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ: **اور ان کے لیے جتنی قوت ہو سکے تیار رکھو۔**} اس آیت میں قوت سے مراد یہ ہے کہ اسلحے اور آلات کی وہ تمام اقسام کہ جن کے ذریعے دشمن سے جنگ کے دوران قوت حاصل ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قلعے اور پناہ گاہیں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد رَمی یعنی تیر اندازی ہے۔

جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سیدِ عالم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں قوت کے معنی رمی یعنی تیر اندازی بتائے۔ (2) فی زمانہ میزائل وغیرہ بھی اسی میں داخل ہوں گے۔

آیت "وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ" سے حاصل ہونے والی معلومات:

اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوئیں

(1) ... جہاد کی تیاری بھی عبادت ہے اور جہاد کی طرح حسبِ موقع یہ تیاری بھی فرض ہے جیسے نماز کے لئے وضو ضروری ہے۔

HAFIZ M.A.SUBHAN LECT.GDC&PGC

(2) ...عبادت کے اَسباب جمع کرنا عبادت ہیں اور گناہ کے اسباب جمع کرنا گناہ ہے جیسے حج فرض کیلئے سفر کرنا فرض ہے اور چوری کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔

(3)... کفار کو ڈرانا دھمکانا اپنی قوت دکھانا بہادری کی باتیں کرنا جائز ہیں حتّٰی کہ کافروں کے دل میں رُعب ڈالنے کیلئے غازی اپنی سفید داڑھی کو سیاہ کر سکتا ہے ورنہ ویسے سیاہ خضاب ناجائز و گناہ ہے۔

فتح و نصرت کی عظیم تدبیر:

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ فتح و نصرت اور غلبہ و عظمت کی عظیم تدبیر پر مشتمل ہے اور اس آیت کی حقانیت سورج کی طرح روشن ہے جیسے آج کے دور میں دیکھ لیں کہ جس ملک کے پاس طاقت و قوت اور اسلحہ و جنگی ساز و سامان کی کثرت ہے اس کا بدترین دشمن بھی اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا جبکہ کمزور ملک پر سب مل کر چڑھ دوڑنے کو تیار بیٹھے ہوتے ہیں، جیسے ایک بڑی طاقت اپنا سب سے بڑا دشمن دوسری بڑی طاقتوں کو سمجھتی ہے لیکن آج تک اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی کیونکہ اُن کے پاس پہلی کا دماغ ٹھیک کرنے کے نسخے موجود ہیں لیکن وہی بڑی طاقتیں اور عالمی امن کے جھوٹے دعویدار کمزور ممالک کو طاقت دکھانے میں شیر ہیں اور ان ممالک میں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ اِسی آیت پر کچھ عمل کی برکت ہے کہ پاکستان پر کھلم کھلا حملہ کرنے کی جسارت کسی کو نہیں ہو رہی کیونکہ پاکستان ایٹمی طاقت ہے۔ اگر مسلمان مل کر اِس آیت پر عمل کریں تو کیا مجال کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت مسلمانوں کو تنگ کر سکے۔

{وَ اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ: اور جو اُن کے علاوہ ہیں۔} یہاں دوسرے لوگوں سے کون مراد ہیں ان کے بارے میں مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ ان سے مراد بنو قریظہ کے یہودی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فارس کے مجوسی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ" تم انہیں نہیں جانتے کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتے ہیں اور اپنی زبانوں سے " لا الہ الا اللہ " کہتے ہیں جبکہ "اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ" اللہ انہیں جانتا ہے کہ وہ منافق ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں "اس سے مراد کافر جنّات ہیں۔

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۶۱)

اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

{اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ۔} اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو دشمنوں کے مقابلے میں قوت کی تیاری اور انہیں خوفزدہ کرنے کا سامان کرنے کا حکم دیا اور اس آیت میں یہ حکم دیا کہ اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں اور صلح کی درخواست کریں تو ان کی صلح قبول کر لو۔

کفار سے صلح سے متعلق 3 مسائل:

اس آیت میں کفار سے صلح کا ذکر ہوا اس مناسبت سے یہاں ہم صلح سے متعلق تین مسائل ذکر کرتے ہیں:

(1)... اگر صلح مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو صلح کرنا جائز ہے اگرچہ کچھ مال لے کر یا دے کر صلح کی جائے اور صلح کے بعد اگر مصلحت صلح توڑنے میں ہو تو توڑ دیں مگر یہ ضروری ہے کہ پہلے انھیں اس کی اطلاع کر دیں اور اطلاع کے بعد فوراً جنگ شروع نہ کریں بلکہ اتنی مہلت دیں کہ کافر بادشاہ اپنے تمام ممالک میں اس خبر کو پہنچا سکے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ صلح میں کوئی مدت مُعیَّن نہ کی گئی ہو اور اگر مدت معین کی گئی ہو تو مدت پوری ہونے پر اطلاع دینے کی کچھ حاجت نہیں۔

(2) ... جس مشرک سے معاہدہ کیا جائے وہ مشرکینِ عرب میں سے نہ ہو کیونکہ عرب کے مشرکین سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا یا جنگ۔

(3) ... مرتد ہونے والوں سے صرف اسلام قبول کیا جائے یا ان سے جنگ کی جائے گی، ان سے نہ صلح جائز ہے اور نہ جزیہ لینا جائز ہے۔

وَ اِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾

"اور (اے حبیب!) اگر وہ تمہیں دھوکہ دینا چاہیں گے تو بیشک اللہ تمہیں کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعے تمہاری تائید فرمائی۔"

{وَ اِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ: اور اگر وہ تمہیں دھوکہ دینا چاہیں گے۔} یعنی اے حبیب! صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اگر کفار دھوکہ دینے کے لئے صلح کی پیش کش کریں تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے فریب سے بچائے گا کہ تمہیں کسی طریقہ سے خبر دے دے گا۔

{هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ: وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعے تمہاری تائید فرمائی۔} بدر میں اللہ تعالیٰ کی مدد تو وہ تھی جو فرشتوں کے ذریعے آئی اور مسلمانوں کے ذریعے مدد وہ تھی جو مہاجرین و انصار کے ذریعے پہنچی۔

مددِ الٰہی کی صورتیں:

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد فرشتوں کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور نیک بندوں کے ذریعے بھی، نیز ظاہری اسباب کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور ظاہری اسباب سے ہٹ کر بھی۔

وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۳﴾

"اور اس نے مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو ملا دیا، بیشک وہ غالب حکمت والا ہے۔"

{وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ: اور اس نے ان کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔} انصار کے دو قبیلے اوس و خزرج کے درمیان شروع ہونے والی عداوت برسوں سے چلی آ رہی تھی اور ان کی باہمی عداوت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ انہیں ملا دینے کے لئے تمام سامان بے کار ہو چکے تھے اور کوئی صورت باقی نہ رہی تھی، ذرا ذرا سی بات میں بگڑ جاتے اور برسہا برس تک جنگ باقی رہتی، الغرض کسی طرح دو دِل نہ مل سکتے تھے۔ جب رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مبعوث ہوئے اور عرب کے لوگ آپ پر ایمان لائے اور انہوں نے آپ کی اتباع کی تو یہ حالت بدل گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا فرما دی، دلوں سے دیرینہ عداوتیں اور کینے دور ہوئے اور ایمانی محبتیں پیدا ہوئیں۔ یہ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا روشن معجزہ ہے۔

مسلمانوں کی اِجتماعیت کا سب سے بڑا ذریعہ:

یاد رہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت مسلمانوں کی اِجتماعیّت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دیکھ لیں کہ مشرق و مغرب کے دو لوگ جن کے رنگ، زبان، نسل، معیارِ زندگی سب کچھ ایک دوسرے سے جدا ہو لیکن جب ایک کو یہ پتہ چلتا ہے کہ دوسرا شخص بھی سرورِ دو عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا غلام ہے تو فوراً دل میں نرمی و محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۴﴾

اے نبی! اللہ تمہیں کافی ہے اور جو مسلمان تمہارے پیروکار ہیں۔

{یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ: اے نبی! اللہ تمہیں کافی ہے۔} اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے دھوکہ دینے کی صورت میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

سے اپنی مدد و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً ہر حال میں اپنے حبیب ﷺ کی مدد و نصرت اور کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔

چالیسواں لیکچر:

سورۂ انفال (آیت نمبر 65 تا 69)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ (۶۵) اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًاؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (۶۶)

"اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کیونکہ کافر سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمادی اور اسے علم ہے کہ تم کمزور ہو تو اگر تم میں سو صبر کرنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب ہوں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

{ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ: اے نبی!۔} اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہے کہ مسلمانوں کی جماعت صابر رہے تو مددِ الٰہی سے دس گنا کافروں پر غالب رہے گی کیونکہ کفار جاہل ہیں اور ان کی جنگ سے غرض نہ حصولِ ثواب ہے نہ خوفِ عذاب، جانوروں کی طرح لڑتے بھڑتے ہیں تو وہ للّٰہیت کے ساتھ لڑنے والوں کے مقابل کیا ٹھہر سکیں گے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا کہ مسلمانوں کا ایک فرد دس افراد کے مقابلہ سے نہ بھاگے، پھر آیت "اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ" نازل ہوئی تو یہ لازم کیا گیا کہ ایک سو مجاہدین دو سو 200 لوگوں کے مقابلے میں قائم رہیں۔

یعنی دس گنا سے مقابلہ کی فرضیت منسوخ ہوئی اور دو گنا کے مقابلہ سے بھاگنا ممنوع رکھا گیا۔

جہاد کی ترغیب:

اس آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے حکم سے معلوم ہوا کہ جہاد بہت اعلیٰ عبادت ہے جس کی رغبت دلانے کا حضور پُر نور ﷺ کو حکم دیا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد کی ہر جائز طریقہ سے رغبت دینا جائز ہے۔ غازی کی تنخواہ مقرر کرنا، اس کے بیوی بچوں کی پرورش کرنا، بہادروں کی قدر دانی کرنا سب اس میں داخل ہیں۔

اس آیت کے علاوہ قرآنِ پاک کی اور کئی آیات میں کفار سے جہاد کرنے کی ترغیب بیان کی گئی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (۱۰) تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۱)"

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتادوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم (اپنا حقیقی نفع) جانتے ہو۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا

”اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ “ (4)

بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بدلے میں خرید لئے کہ ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو (کافروں کو) قتل کرتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا

”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ (۳۸) اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْــٴًـا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۳۹) “

"اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا؟ جب تم سے کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین کے ساتھ لگ جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کی بجائے دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے؟ تو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کا سازوسامان بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر تم (اللہ کی راہ میں) کوچ نہیں کرو گے تو وہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔"

اسی طرح کثیر احادیث میں بھی جہاد کی ترغیب دی گئی ہے، ان میں سے 3 اَحادیث درج ذیل ہیں:

(1)... صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سب سے بہتر اس کی زندگی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہے، جب کوئی خوفناک آواز سنتا ہے یا خوف میں اسے کوئی بلاتا ہے تو اُڑ کر (یعنی بہت جلد) پہنچ جاتا ہے۔ قتل و موت کو اس کی جگہوں میں تلاش کرتا ہے (یعنی مرنے کی جگہ سے ڈرتا نہیں ہے) یا اس کی زندگی بہتر ہے جو چند بکریاں لے کر پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی وادی میں رہتا ہے، وہاں نماز پڑھتا ہے اور زکوۃ دیتا ہے اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتا ہے۔

(2)... حضرت انس سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مشرکین سے اپنے مال، جان اور زبان سے جہاد کرو۔

یعنی دینِ حق کی اشاعت میں ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

(3)... حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو مر جائے اور نہ تو جہاد کرے اور نہ اپنے دل میں اس کا خیال کرے تو وہ نفاق کے ایک حصے پر مرے گا۔

{عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا: **اسے علم ہے کہ تم کمزور ہو۔**} اس سے ایمان کی کمزوری نہیں بلکہ اَبدان کی کمزوری مراد ہے۔

یعنی پہلے تو سو کے مقابلہ میں دس مسلمانوں کو ڈٹ جانا فرض تھا اب سو کافروں کے مقابلے میں پچاس کو ڈٹ جانا فرض رہ گیا۔

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖۗ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۶۷)

"کسی نبی کے لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کر لے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہالے۔ تم لوگ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

{حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ: **جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہالے۔**} ارشاد فرمایا کہ کسی نبی کے لائق نہیں کہ اپنے ہاں کافروں کو قید رکھے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہالے اور قتلِ کفار میں مبالغہ کر کے کفر کی ذلت اور اسلام کی شوکت کا اظہار نہ کرے۔

شانِ نزول: مسلم شریف وغیرہ کی احادیث میں ہے کہ جنگِ بدر میں ستر کافر قید کر کے سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں لائے گئے، حضورِ اقدس ﷺ نے ان کے متعلق صحابۂ کرام سے مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر نے عرض کیا کہ یہ آپ کی قوم و قبیلے کے لوگ ہیں، میری رائے

میں انہیں فِدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، اس سے مسلمانوں کو قوت بھی پہنچے گی اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام نصیب کرے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ان لوگوں نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی تکذیب کی، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو مکہ مکرمہ میں نہ رہنے دیا نیز یہ کفر کے سردار اور سرپرست ہیں ان کی گردنیں اڑادی جائیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فدیہ سے غنی کیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کو عقیل پر اور مجھے میرے رشتے دار پر مقرر کیجئے کہ ان کی گردنیں ماردیں۔ لیکن بالآخر فدیہ ہی لینے کی رائے قرار پائی اور جب فدیہ لیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

{تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا: تم لوگ دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو۔} اس آیت میں خطاب مؤمنین سے ہے اور مال سے فدیہ مراد ہے۔ یعنی تم لوگ دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لئے آخرت کا ثواب چاہتا ہے جو کفار کے قتل اور اسلام کے غلبے کی صورت میں تمہیں ملے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ یہ حکم بدر میں تھا جبکہ مسلمان تھوڑے تھے پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوئی اور وہ فضلِ الٰہی سے قوی ہوئے تو قیدیوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی "فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً" (پھر اس کے بعد احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے لو) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور مؤمنین کو اختیار دیا کہ چاہے کافروں کو قتل کریں، چاہے انہیں غلام بنائیں، چاہے فدیہ لیں، چاہے آزاد کریں۔ بدر کے قیدیوں کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا فی کس تھا جس کے سولہ سو درہم ہوئے۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۶۸)

"اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے ایک حکم لکھا ہوا نہ ہوتا، تو اے مسلمانو! تم نے کافروں سے جو مال لیا ہے اس کے بدلے تمہیں بڑا عذاب پکڑ لیتا۔

{لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ: اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے ایک لکھی ہوئی بات نہ ہوتی۔} اس آیت میں "كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ" کے بارے میں مفسرین نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں، ان میں سے 3 درج ذیل ہیں۔

(1) …اس لکھے ہوئے سے مراد یہ ہے کہ اِجتہاد پر عمل کرنے والے سے مُواخَذہ نہ فرمائے گا اور یہاں صحابۂ کرام نے اجتہاد ہی کیا تھا اور ان کی فکر میں یہی بات آئی تھی کہ کافروں کو زندہ چھوڑ دینے میں ان کے اسلام لانے کی امید ہے اور فدیہ لینے میں دین کو تَقْوِیَت ہوتی ہے اور اس پر نظر نہیں کی گئی کہ قتل میں اسلام کا غلبہ اور کفار کی تَہدید ہے۔ یہاں ایک مسئلہ یاد رکھیں کہ سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اس دینی معاملہ میں صحابہ کی رائے دریافت فرمانا مشروعیتِ اجتہاد کی دلیل ہے۔

(2)…یا "كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ" سے وہ مراد ہے جو اس نے لوحِ محفوظ میں لکھا کہ اہلِ بدر پر عذاب نہ کیا جائے گا۔

(3)…یا اس سے وہ مراد ہے جو اس نے لوحِ محفوظ میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے غنیمتیں حلال فرمائے گا۔

یاد رہے کہ آیت کے اگلے حصے "لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ" میں ان صحابۂ کرام سے خطاب ہے جو فدیہ لینے پر راضی تھے، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس خطاب میں داخل نہیں۔ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو حضرت عمر بن خطاب اور حضرت سعد بن معاذ بچ جاتے کیونکہ ان کی رائے عالی فدیہ لینے کے خلاف تھی۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۶۹)

"تو اس سے کھاؤ جو حلال پاکیزہ غنیمت تمہیں ملی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

{فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا: تو اس سے کھاؤ جو حلال پاکیزہ غنیمت تمہیں ملی ہے۔} جب اوپر کی آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے صحابہ نے جو فدیئے لئے تھے ان سے ہاتھ روک لئے، اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور بیان فرمایا گیا کہ تمہاری غنیمتیں حلال کی گئیں، انھیں کھاؤ۔

HAFIZ M.A.SUBHAN ECT. GDC & PCC

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میرے لئے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے بھی حلال نہیں کیا گیا۔

سورۂ انفال (آیت نمبر 70 تا 75)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۰﴾

"اے نبی! جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے فرماؤ، اگر اللہ تمہارے دل میں بھلائی دیکھے گا تو جو مال تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

{یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ: اے نبی۔} شانِ نزول: یہ آیت حضرت عباس بن عبد المطلب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو سید عالم کے چچا ہیں۔ یہ کفارِ قریش کے ان دس سرداروں میں سے تھے جنہوں نے جنگِ بدر میں لشکرِ کفار کے کھانے کی ذمہ داری لی تھی اور یہ اس خرچ کے لئے بیس اوقیہ سونا ساتھ لے کر چلے تھے لیکن ان کے ذمے جس دن کھلانا تجویز ہوا تھا خاص اسی روز جنگ کا واقعہ پیش آیا اور قتال میں کھانے کھلانے کی فرصت و مہلت نہ ملی تو یہ بیس اوقیہ سونا ان کے پاس بچ رہا، جب وہ گرفتار ہوئے اور یہ سونا ان سے لے لیا گیا تو انہوں نے درخواست کی کہ یہ سونا ان کے فدیہ میں شمار کر لیا جائے مگر رسولِ کریم ﷺ نے انکار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو چیز ہماری مخالفت میں صَرف کرنے کے لئے لائے تھے وہ نہ چھوڑی جائے گی اور حضرت عباس پر ان کے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کے فدیئے کا بار بھی ڈالا گیا تو حضرت عباس نے عرض کیا: یا محمد (ﷺ) تم مجھے اس حال میں چھوڑو گے کہ میں باقی عمر قریش سے مانگ مانگ کر بسر کیا کروں تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ سونا کہاں ہے جس کو تمہارے مکہ مکرمہ سے چلتے وقت تمہاری بیوی ام الفضل نے دفن کیا تھا اور تم ان سے کہہ کر آئے ہو کہ خبر نہیں ہے مجھے کیا حادثہ پیش آئے، اگر میں جنگ میں کام آجاؤں تو یہ تیرا ہے اور عبد اللہ اور عبید اللہ کا اور فضل اور قثم کا (سب ان کے بیٹے تھے) حضرت عباس نے عرض کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے خبر دار کیا ہے۔ اس پر حضرت عباس نے عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں بے شک آپ سچے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میرے اس راز پر اللہ کے سوا کوئی مُطَّلع نہ تھا اور حضرت عباس نے اپنے بھتیجوں عقیل و نوفل کو حکم دیا وہ بھی اسلام لائے۔

{یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ: جو (مال) تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا۔} جب رسولِ کریم ﷺ کے پاس بَحرَین کا مال آیا جس کی مقدار اسی ہزار تھی تو حضورِ اقدس ﷺ نے نمازِ ظہر کے لئے وضو کیا اور نماز سے پہلے ہی کل مال تقسیم کر دیا اور حضرت عباس ﷺ کو حکم دیا کہ اس میں سے لے لو تو جتنا ان سے اٹھ سکا، اتنا انہوں نے لے لیا۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ اس سے بہتر ہے کہ جو اللہ نے مجھ سے لیا اور میں اس کی مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔ اپنے مال و دولت کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس اوقیہ سونے کے بدلے بیس غلام عطا کئے، وہ سب کے سب تاجر تھے اور بہت سارا مال کما کر دیتے تھے، ان میں سے جو غلام سب سے کم کما کر دیتا تھا اس کی مقدار بیس ہزار درہم تھی۔

وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾

"اور اے حبیب! اگر وہ تم سے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو بیشک یہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے ہیں جس پر اُس نے اِنہیں تمہارے قابو میں دے دیا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

{ وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ: **اور اے حبیب! اگر وہ تم سے خیانت کرنا چاہتے ہیں۔**} اس آیت میں ذکر کی گئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کفار کی خیانت کی **ایک تفسیر** یہ ہے کہ اے حبیب! ﷺ اگر وہ قیدی تمہاری بیعت سے پھر کر اور کفر اختیار کر کے تم سے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو آپ اس پر غم نہ کریں کیونکہ یہ لوگ میثاق کے دن مجھ سے وعدہ کر کے دنیا میں پہنچ کر پھر گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے اِنہیں تمہارے قابو میں دے دیا جیسا کہ وہ بدر میں دیکھ چکے ہیں کہ قتل ہوئے گرفتار ہوئے آئندہ بھی اگر ان کے اَطوار وہی رہے تو انہیں اسی کا امیدوار رہنا چاہئے۔ **دوسری تفسیر** یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے کفار کو قید سے آزاد کیا تو آپ نے ان سے دوبارہ جنگ نہ کرنے اور مشرکین سے معاہدہ نہ کرنے کا عہد لیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے حبیب! ﷺ اگر انہوں نے عَہد کی خلاف ورزی کر کے آپ سے خیانت کی ہے تو آپ اَفسُردہ نہ ہوں یہ لوگ پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی عہد کر کے اسے توڑ چکے ہیں۔ مصیبت سے نجات کے لئے شکر گزار بندہ بننے کا عہد کیا تو مصیبت دور ہونے کے بعد اپنے وعدے کے خلاف کر کے کفر و معصیت میں مبتلا ہو گئے۔ اولاد کی نعمت ملنے پر شکر گزاری کا عہد کیا اور اولاد ملنے کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا میں اس کے شریک ٹھہرا دیئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾

"بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہ سب ایک دوسرے کے وارث ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا واجب ہے مگر یہ کہ ایسی قوم کے خلاف (مدد مانگیں) کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔"

{ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: **بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے۔**} اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں پہلے دو گروہوں کا بیان فرمایا گیا: (1) **مہاجرینِ اَوَّلین**۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کیلئے اور اسی کے رسول ﷺ کی محبت میں انہوں نے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔ (2) **اَنصار**۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی مدد کی اور انہیں اپنے مکانوں میں ٹھہرایا۔ پھر ان مہاجرین اور انصار دونوں کے لئے ارشاد فرمایا کہ مہاجر انصار کے اور انصار مہاجر کے وارث ہیں۔ یہ وراثت آیت "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ" **سے منسوخ ہو گئی۔**

{ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ: **اور اگر وہ دین میں تم سے مدد مانگیں۔**} یعنی جن مسلمانوں نے دارُالحرب سے ہجرت نہیں کی وہ اگر دارُالحرب سے رہائی حاصل کرنے کیلئے تم سے فوجی قوت یا مال سے مدد طلب کریں تو تم پر فرض ہے کہ انہیں نامراد نہ کرو، ہاں اگر وہ کسی ایسی کافر قوم کے خلاف تم سے مدد طلب کریں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو تو ان کے خلاف مسلمانوں کی مدد نہ کرو اور مدت پوری ہونے سے پہلے اس معاہدے کو نہ توڑو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں تین مسئلے بیان ہوئے ہیں: **ایک** یہ کہ غیر مہاجر مومن اگر کسی کافر قوم سے دینی وجہ سے جنگ کریں اور وہ تم سے مدد مانگیں تو مدد دو۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے مسلم بھائی کی دینی جنگ میں مدد کرے۔ **دوسرا** یہ کہ مدد دینا جہاد میں ضروری ہے نہ کہ محض دنیاوی جھگڑوں میں۔ **تیسرا** یہ کہ اگر دارالحرب کے مسلمانوں کی جنگ کسی ایسی کافر قوم سے ہے جن کا ہمارے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے تو ہم اب ان کے خلاف مدد نہیں دے

سکتے کیونکہ اس میں بد عہدی ہے بلکہ اب یہ کوشش کی جائے کہ ان کفار اور ان مسلمانوں میں صلح ہو جائے، اگر صلح ناممکن ہے تو ہم غیر جانبدار رہیں۔

سبحان اللہ یہ کیسی نفیس تعلیم ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے بھی کئے ہوئے عہد کی پاسداری کی جائے اور کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے عہد شکنی کی صورت نکلتی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تعلیمات اَخلاقی اچھائیوں کی انتہا تک پہنچی ہوئی ہیں۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ(۷۳)

"اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہو گا۔"

{وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ: اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔} اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ کافر نصرت اور وراثت میں ایک دوسرے کے وارث ہیں لہٰذا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی وراثت نہیں۔ اگر مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کریں اور ایک دوسرے کے مددگار ہو کر ایک قوت نہ بن جائیں تو کفار مضبوط اور مسلمان کمزور ہو جائیں گے، اس صورت میں زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو گا۔

اس آیت کی حقانیت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ مسلمانوں کو آپس کے عدمِ اتحاد پر فرمایا گیا تھا کہ اس سے فتنہ اور فسادِ کبیر ہو گا اور اب ہر کوئی دیکھ سکتا ہے کہ آج مسلمانوں کے خلاف فتنہ اور فسادِ کبیر ہے یا نہیں اور اس کی وجہ بھی مسلمانوں کا عدمِ اتحاد ہے یا نہیں؟

مسلمانوں میں باہمی تعاون اور مدد کی ضرورت:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی دوستی اور ان کا وارث بننے سے منع کیا ہے، ان سے جدا رہنے، مسلمانوں کو آپس میں میل جول رکھنے اور ایک دوسرے کا معاون و مددگار بن کر مضبوط طاقت بننے کا حکم دیا ہے۔ لیکن افسوس! فی زمانہ ایک گھر سے لے کر عالمی سطح تک اس معاملے میں مسلمانوں کا حال اس کے الٹ ہی نظر آ رہا ہے کہ مسلمان اپنے گھر میں اپنے ہی بہن بھائیوں کے ساتھ میل جول رکھنے، مشکل حالات میں ایک دوسرے کی مدد کرنے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے سے بیزار ہو چکے ہیں اور یہی حال پڑوسیوں اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ ہے، اسی طرح ایک علاقے کے مسلمان دوسرے علاقے کے مسلمانوں سے، ایک شہر کے مسلمان دوسرے شہر کے مسلمانوں سے، ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک کے مسلمانوں سے باہمی الفت و محبت اور تعاون و مدد کو تیار نہیں بلکہ عمومی طور پر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی بجائے کفار سے بہر صورت دوستی کرنا چاہتے ہیں اور ہر طرح کی قربانی دے کر ان سے بنائی ہوئی دوستی کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں اور اگر کسی کافر ملک کی کسی مسلم ملک کے ساتھ جنگ شروع ہو جائے تو اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعاون کرنے اور کفار کے خلاف ان کی مدد کرنے کی بجائے کافروں کا ساتھ دیتے ہیں اور مسلمان بھائیوں کو تباہ و برباد کرنے میں کافروں کو ہر طرح کی مدد دیتے اور ان کی تھپکیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کی اپنی حکمرانی قائم رہے اور ان کی عیش و مستی میں کوئی کمی نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقلِ سلیم عطا فرمائے اور اپنے دین و مذہب کی تعلیمات کو سمجھنے، ان پر عمل کرنے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اٰمین۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ(۷۴)

"اور وہ جو ایمان لائے اور مہاجر بنے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔"

{اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا: وہی سچے ایمان والے ہیں۔} اس سے پہلی آیت میں مہاجرین و انصار کے باہمی تعلُّقات اور ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے مُعین و مددگار ہونے کا بیان تھا اور اس آیت میں ان دونوں کے ایمان کی تصدیق اور ان کے رحمتِ الٰہی کے مستحق ہونے کا ذکر ہے۔ اس آیت

سے مہاجرین اور انصار کی عظمت وشان بیان کرنا مقصود ہے کہ مہاجرین نے اسلام کی خاطر اپنے آبائی وطن کو چھوڑ دیا، اپنے عزیز، رشتہ داروں سے جدائی گوارا کی، مال و دولت، مکانات اور باغات کو خاطر میں نہ لائے۔ اسی طرح انصار نے بھی مہاجرین کو مدینہ منورہ میں اس طرح ٹھہرایا کہ اپنے گھر اور مال و مَتاع میں برابر کا شریک کر لیا، یہ سچے اور کامل مومن ہیں، ان کے لئے گناہوں سے بخشش اور جنت میں عزت کی روزی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾

"اور جو اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں (وراثت میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔"

{ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ: **اور جو اس کے بعد ایمان لائے۔** } یعنی اے مہاجرین و انصار! جو لوگ پہلی ہجرت کے بعد ایمان لائے اور انہوں نے تمہاری ہجرت کے بعد ہجرت کی اور کئی جنگوں میں انہوں نے تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا یہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور تمہارے ہی حکم میں ہیں۔

مہاجرین کے طبقات:

مہاجرین کے کئی طبقے ہیں ایک وہ ہیں جنہوں نے پہلی مرتبہ مدینہ طیبہ کو ہجرت کی انہیں **مہاجرینِ اولین** کہتے ہیں۔ کچھ وہ حضرات ہیں جنہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ کی طرف انہیں **اصحابُ الہجرتین** کہتے ہیں۔ بعض حضرات وہ ہیں جنہوں نے صلحِ حدیبیہ کے بعد فتحِ مکہ سے قبل ہجرت کی یہ **اصحابِ ہجرتِ ثانیہ** کہلاتے ہیں، پہلی آیت میں مہاجرینِ اولین کا ذکر ہے اور اس آیت میں اصحابِ ہجرتِ ثانیہ کا ذکر ہے۔

{ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ: **اور رشتے دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔** } حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں "صحابۂ کرام ہجرت اور اُخُوَت کی بنا پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے حتّٰی کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہجرت اور اخوت کے مقابلے میں (نسبی) رشتے دار وراثت میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں اور اس آیت کے ذریعے ہجرت اور اخوت کی وجہ سے وراثت میں حق داری منسوخ فرما دی گئی۔

آیت "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ" سے معلوم ہونے والے مسائل:

اس آیت سے 3 مسئلے معلوم ہوئے:

(1) ...ہجرت اور اخوت کی وجہ سے وراثت منسوخ ہو چکی ہے۔

(2) ...اب وراثت کا دار و مدار نسبی قرابت داری پر ہے جیسا کہ آیت "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ" سے واضح ہے۔ رضاعی رشتے کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں اور سسرالی رشتے میں بھی صرف شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

(3) ...ذوی الارحام جیسے ماموں خالہ وغیرہ بھی وارث ہیں جیسا کہ اَحناف کا مذہب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

HAFIZ M.A.SUBHAN LEC. GDC & PGC

HAFIZ M.A.SUBHAN LECT. GDC & PGC

قرآن مجید (تعارف، حفاظت و فضائل)

قرآن مجید کا تعارف: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انس و جن کی رہنمائی کے لیے آخری نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مخلوق نہیں۔ قرآن کریم لوحِ محفوظ میں ہمیشہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے ملأ اعلیٰ یعنی آسمانوں کے اوپر تحریر ہیں، وہ کسی بھی تبدیلی سے محفوظ ہونے کے ساتھ شیاطین کے شر سے بھی محفوظ ہیں، اس لیے اس کو لوحِ محفوظ کہا جاتا ہے۔ اس کی شکل و صورت و حجم کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے، مگر قرآن و حدیث کی روشنی میں ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔

قرآن "قَرَأَ" کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں: پڑھی جانے والی کتاب۔ واقعی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہے، جس کی بغیر سمجھے بھی لاکھوں لوگ ہر وقت تلاوت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہوں پر اپنے پاک کلام کے لیے قرآن کا لفظ استعمال کیا ہے: "اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ" (الواقعہ: ۷۷)۔ اسی طرح فرمایا: "بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ" (البروج:۲۱)

قرآن کریم عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اُتارا ہے جو عربی زبان میں ہے، تاکہ تم سمجھ سکو۔" (یوسف: ۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے، مگر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہی اس کتاب سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سورۃ البقرۃ آیت: ۲ اور سورۂ آل عمران آیت: ۱۳۸ میں موجود ہے۔

نزولِ قرآن: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی:

۱ -: گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی اور آواز نے جو کچھ کہا ہوتا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد ہو جاتا۔ جب اس طریقہ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔

۲ -: فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام آپ کو پہنچا دیتا۔ ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔

۳ -: حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصل صورت میں تشریف لاتے تھے۔

۴ -: بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم کلامی ہوئی۔ یہ صرف ایک بار معراج کے موقع پر ہوا۔ نماز کی فرضیت اسی موقع پر ہوئی۔

۵ -: حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر کوئی بات القاء فرما دیتے تھے۔

تاریخ نزولِ قرآن: ماہِ رمضان کی ایک بابرکت رات لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اس کے بعد حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور تقریباً ۲۳ سال کے عرصہ میں قرآن کریم مکمل نازل ہوا۔ قرآن کریم کا تدریجی نزول اُس وقت شروع ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں غارِ حرا میں اُتریں، وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔ اس پہلی وحی کے نزول کے بعد تین سال تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا۔ تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سورۃ المدثر کی ابتدائی چند آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وحی کے نزول کا تدریجی سلسلہ جاری رہا۔ غرض تقریباً ۲۳ سال کے عرصہ میں قرآن کریم مکمل نازل ہوا۔

حفاظتِ قرآن: جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ قرآن کریم ایک ہی دفعہ میں نازل نہیں ہوا، بلکہ ضرورت اور حالات کے اعتبار سے مختلف آیات نازل ہوتی رہیں۔ قرآن کریم کی حفاظت کے لیے سب سے پہلے حفظِ قرآن پر زور دیا گیا، چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ کو اسی وقت دہرانے لگتے تھے، تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوئی کہ عین نزولِ وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ خود آپ میں ایسا حافظہ پیدا فرمادے گا کہ ایک مرتبہ نزولِ وحی کے بعد آپ اسے بھول نہیں سکیں گے۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے حافظ قرآن ہیں، چنانچہ ہر سال ماہِ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کے نازل شدہ حصوں کا دور فرمایا کرتے تھے۔ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار قرآن کریم کا دور فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کے معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے۔ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم یاد کرنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا۔ چنانچہ ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک اچھی خاصی جماعت ایسی رہتی جو نازل شدہ قرآن کی آیات کو یاد کر لیتی اور راتوں کو نماز میں دہراتی تھی۔ غرضیکہ قرآن کی حفاظت کے لیے سب سے پہلے حفظِ قرآن پر زور دیا گیا اور اُس وقت کے لحاظ سے یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور قابلِ اعتماد تھا۔

قرآن کریم کی حفاظت کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو لکھوانے کا بھی خاص اہتمام فرمایا، چنانچہ نزولِ وحی کے بعد آپ کاتبینِ وحی کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرماتے تھے کہ: اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔ اس زمانہ میں کاغذ دستیاب نہیں تھا، اس لیے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانور کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں۔ کاتبینِ وحی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خاص طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جتنے قرآن کریم کے نسخے لکھے گئے تھے، وہ عموماً متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے۔

عہدِ صدیقی میں حفاظتِ قرآن:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب جنگِ یمامہ کے دوران حفاظِ قرآن کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم ایک جگہ جمع کروانے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ابتداء میں اس کام کے لیے تیار نہیں تھے، لیکن شرح صدر کے بعد وہ بھی اس عظیم کام کے لیے تیار ہو گئے اور کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس اہم و عظیم عمل کا ذمہ دار بنایا۔ اس طرح قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرنے کا اہم کام شروع ہو گیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خود کاتبِ وحی ہونے کے ساتھ پورے قرآن کریم کے حافظ تھے۔ وہ اپنی یادداشت سے بھی پورا قرآن لکھ سکتے تھے، اُن کے علاوہ اُس وقت سینکڑوں حفاظِ قرآن موجود تھے، مگر انہوں نے احتیاط کے پیشِ نظر صرف ایک طریقہ پر بس نہیں کیا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اُس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفے میں درج نہیں کی، جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں۔ اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں، وہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس محفوظ تھیں، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ

عنہ نے انہیں یکجا فرمایا، تاکہ نیا نسخہ ان ہی سے نقل کیا جائے۔ اس طرح خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں قرآن کریم ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر دور دراز عجمی علاقوں تک پھیل گیا تھا۔ ہر نئے علاقہ کے لوگ ان صحابہؓ و تابعینؒ سے قرآن سیکھتے، جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا، اس لیے ہر صحابیؓ نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا جس کے مطابق خود انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔ اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔ لوگوں نے اپنی قراءت کو حق اور دوسری قراءتوں کو غلط سمجھنا شروع کر دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اجازت ہے کہ مختلف قراءتوں میں قرآن کریم پڑھا جائے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ t کے پاس پیغام بھیجا کہ اُن کے پاس (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تیار کرائے ہوئے) جو صحیفے موجود ہیں، وہ ہمارے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں ایک کمیٹی تشکیل دے کر ان کو مکلف کیا گیا کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحیفہ سے نقل کر کے قرآن کریم کے چند ایسے نسخے تیار کریں جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں، چنانچہ قرآن کریم کے چند نسخے تیار ہوئے اور ان کو مختلف جگہوں پر ارسال کر دیا گیا، تاکہ اسی کے مطابق نسخے تیار کر کے تقسیم کر دیئے جائیں۔

اس طرح اُمتِ مسلمہ میں اختلاف باقی نہ رہا اور پوری اُمتِ مسلمہ اسی نسخہ کے مطابق قرآن کریم پڑھنے لگی۔ بعد میں لوگوں کی سہولت کے لیے قرآن کریم پر نقطے و حرکات (یعنی زبر، زیر اور پیش) بھی لگائے گئے، نیز بچوں کو پڑھانے کی سہولت کے مدِ نظر قرآن کریم کو تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا۔ نماز میں تلاوتِ قرآن کی سہولت کے لیے رکوع کی ترتیب بھی رکھی گئی۔

فضائلِ قرآن قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قرآن کا ماہر جس کو خوب یاد ہو، خوب پڑھتا ہو، اُس کا حشر فرشتوں کے ساتھ قیامت کے دن ہو گا۔“ (بخاری) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے دن صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ، جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا، پس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔“ (مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ ہو گی۔ اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو تو کیا گمان ہے تمہارا اُس شخص کے بارے میں جو خود اس پر عمل پیرا ہو؟!۔“ (ابو داود)

آج ہم اپنے بچوں کی دنیاوی تعلیم کے بارے میں سوچتے ہیں، انہیں عصری علوم کی تعلیم دینے پر اپنی تمام محنت وتوجہ صرف کرتے ہیں اور ہماری نظر صرف اور صرف اس عارضی دنیا اور اس کے آرام وآسائش پر ہوتی ہے اور اُس ابدی ولافانی دنیا کے لیے کوئی خاص جدوجہد نہیں کرتے، الاماشاء اللہ۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنا اور اپنے بچوں کا تعلق وشغف قرآن وحدیث سے جوڑیں، اس کی تلاوت کا اہتمام کریں، علماء کی سرپرستی میں قرآن وحدیث کے احکام سمجھ کر ان پر عمل کریں اور اس بات کی کوشش وفکر کریں کہ ہمارے ساتھ، ہمارے بچے، گھر والے، پڑوسی، دوست واحباب ومتعلقین بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقہ پر زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ آج عصری تعلیم کو اس قدر فوقیت واہمیت دی جارہی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو قرآن کریم ناظرہ کی بھی تعلیم نہیں دی جارہی ہے، کیونکہ ان کو اسکول جانا ہے، ہوم ورک کرنا ہے، پروجیکٹ تیار کرنا ہے، امتحانات کی تیاری کرنی ہے، وغیرہ وغیرہ، یعنی دنیاوی زندگی کی تعلیم کے لیے ہر طرح کی جان ومال اور وقت کی قربانی دینا آسان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام کو سیکھنے میں ہمیں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ غور فرمائیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے ہماری رہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے اور اس کے پڑھنے پر اللہ تعالیٰ نے بڑا اَجر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے اور قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے والا اور قرآن وحدیث کے احکام پر عمل کرنے والا بنائے، آمین۔

اللہ اور رسول ﷺ کی محبت

اللہ سے محبت کرنے کی بنیادی وجوہات

اللہ سے محبت کرنا ایمان کا تقاضا ہے، اور اس وقت تک توحید مکمل نہیں ہوسکتی جب تک بندہ اپنے رب سے مکمل محبت نہ کرے، اور نہ تو محبت کی اس سے زیادہ واضح تحدید کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس سے بہتر تعریف ہوسکتی ہے، اور اللہ کے سوا کوئی بھی ایسی ذات (چیز) نہیں جس سے مکمل طور پر محبت کی جائے اور اسی کے لئے ہی الوہیت، عبودیت، خشوع وخضوع اور مکمل محبت لائق وزیبا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی شان جیسی کوئی شان نہیں، کیونکہ خالق وموجد سے زیادہ دلوں کو کوئی چیز محبوب نہیں، وہ تو الٰہ ہے، معبودِ برحق ہے، ولی ہے، مولیٰ ہے، رب ہے، تدبیر کرنے والا ہے، رزق دینے والا ہے، موت وحیات کا مالک ہے؛ اور اسی کی محبت دلوں کی نعمت ہے، روح کی حیات ہے، نفس کا سرور ہے، دلوں کی غذا ہے، عقلوں کا نور ہے، اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اور اندرونی عمارت ہے۔ اور مخلص دل، پاکیزہ روح اور عقل سلیم کے مطابق اللہ کی محبت، اُس سے اُنسیت اور اس کی ملاقات کے شوق سے زیادہ خوبصورت، پاکیزہ، رازدار اور بہتر نعمت اور کوئی نہیں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں:

"عفوُہ یستغرِقُ الذنوبَ؛ فکیف رِضوانُہ ﷻ و رِضوانُہ یستغرِقُ الآمال؛ فکیف حُبُّہ ﷻ وحبُّہ یُدہِشُ العقول؛ فکیف ودُّہ ﷻ وودُّہ یُنسِی ما دُونَہ؛ فکیف لُطفُہ؟."

ترجمہ: جب اس کی معافی تمام گناہوں کو ڈھانپ لیتی ہے تو اس کی رضا کا کیا عالم ہو گا؟ اور جب اس کی رضا امیدوں کو سمیٹ لیتی ہے تو اس کی محبت کیسی ہو گی؟ اور جب اس کی محبت کا یہ عالم ہو کہ وہ عقلوں کو حیران کر دے تو اس کی مودّت کیسی ہو گی؟ اور اس کی مودت تو سب کچھ بھلا دے گی تو اس کا لطف کیسا ہو گا؟

اور انسان جتنی زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے اتنی ہی زیادہ ایمان کی لذت اور مٹھاس حاصل ہوتی ہے، اور جس کا دل اللہ کی محبت سے بھر جائے اللہ اسے دوسروں کی محبت، ڈر اور ان پر توکل کرنے سے اس بندے کو بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور صرف اللہ تعالی کی محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو دلوں کو بے نیاز کر دیتی ہے، حاجتوں کو پورا کرتی ہے، اور بھوک کو ختم کر دیتی ہے۔

اور اگر اللہ تعالی کی محبت کے بغیر اسے وہ سب کچھ مل بھی جائے جس سے اسے لذت حاصل ہو تب بھی اسے امن و اطمینان اور سکون نہیں مل سکے گا، اور آنکھوں کا نور، کانوں کی سماعت، ناک کا سونگھنا، زبان کا بولنا ان تمام نعمتوں کے ختم ہو جانے سے اتنی تکلیف نہیں ہو گی جتنی تکلیف دل سے اللہ کی محبت نکل جانے سے ہو گی بلکہ اگر دل اپنے حقیقی خالق و مالک اور معبود کی محبت سے خالی ہو جائے اور روح مردہ ہو جائے تو وہ جسم کی خرابی سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے۔

سچی محبت: حقیقی محبت یہ ہے کہ آپ خود کو مکمل طور پر اس ذات کے حوالے کر دیں جس سے آپ محبت کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس کچھ نہ رہے، اور اللہ کی سچی و حقیقی محبت وہ ہے جو دیگر تمام محبتوں پر غالب اور مقدم رہے، اور بندے کی تمام تر محبّتیں اُسی (اللہ کی) محبت کے تابع و تحت ہونی چاہئیں، اسی میں بندے کی سعادت اور کامیابی ہے۔

محبت کی مقدار میں محبّین (محبّت کرنے والوں) کے مختلف درجات ہیں، اسی لئے اللہ تعالی نے مؤمنوں کی محبت کو شدید کہا ہے اور فرمایا ہے:

))وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ)) [البقرۃ: 165] ترجمہ: اور ایمان والے تو اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

)) أَشَدُّ)): یہ لفظ ان کی محبت کے مختلف درجات ہونے کی دلیل ہے؛ کیونکہ اس کا معنی ہے: زیادہ سے زیادہ محبت۔

اللہ کی محبّت کے تقاضے:

اپنے نفس، روح اور مال و دولت کی محبتوں کو اللہ تعالی کی محبت پر قربان کر دینا، پھر ظاہری و باطنی طور پر اس کی موافقت کرنا، پھر اللہ کی محبت میں ہونے والی کوتاہیوں کو جاننا، سمجھنا، الغرض: آپ مکمل طور پر اپنے محبوب (رب) کے فرماں بردار بن جائیں، اور اپنے نفس کو اُسی کی رضا کی خاطر وقف کر دیں، اور اس کے ساتھ ساتھ (مسنون طریقے کے مطابق) محبوب (اللہ) کی یاد میں ہی دل لگائیں، اور ہمیشہ اپنی زبان سے اُسی اللہ کا ذکر کریں۔ پیارے ﷺ اس کے حصول کے لئے یہ دعا کیا کرتے تھے:

أَسأَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَن يُحِبُّكَ، وَحَبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ إِلى حُبِّكَ

ترجمہ: میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں، اور اس شخص کی محبت جس سے تو محبت کرتا ہے، اور اس عمل کی محبت جس کی بدولت تیری محبت حاصل ہوتی ہے۔

اطاعتِ رسول ﷺ کیوں ضروری ہے؟

اللہ ورسول کی اطاعت کی تعریف:

اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جن باتوں کو کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرنا اور جن سے منع فرمایا ان کو نہ کرنا "اللہ ورسول کی اطاعت" کہلاتا ہے۔ (نجات دلانے والے اعمال کی معلومات، صفحہ ۱۲۹)

آیت مبارکہ:

اللہ عَزَّ وَجَلَّ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ)(پ۵، النساء: ۵۹) ترجمۂ کنزالایمان: "اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔" (نجات دلانے والے اعمال کی معلومات، صفحہ ۱۲۹)

احادیث مبارکہ:

تین فرامین مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم: "جس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت چھوڑ دی وہ قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اِس حال میں ملے گا کہ اُس کے پاس (عذاب سے بچنے کی) کوئی حجت نہ ہوگی، اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا پٹا نہ تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"[1] "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی۔" [2] "جو مجھ پر اِیمان لایا اور میری اطاعت کی اور پھر ہجرت کی میں اسے جنت کے کنارے اور وسط میں ایک ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں تو جو یہ کام کرے اور نہ تو خیر کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے دے اور نہ ہی برائی سے بھاگنے کا کوئی موقع گنوائے تو (یہی اس کے لئے کافی ہے) وہ جہاں چاہے مرے۔"[3] (نجات دلانے والے اعمال کی معلومات، صفحہ ۱۳۰، ۱۲۹)

اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم:

ہر مسلمان پر اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت لازم ہے یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جن باتوں کو کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرے اور جن سے منع فرمایا ہے ان سے بچے۔ (نجات دلانے والے اعمال کی معلومات، صفحہ ۱۳۰)

رسول ﷺ کی اطاعت کی اہمیت:

رسول ﷺ کی یہ اطاعت کس درجے مطلوب ہے اور ایمان حقیقی کے اعتبار سے اس کا معیار کیا ہے' اس کے لیے سورۃ النساء کی آیت ۶۵ ملاحظہ کیجیے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾

''تو (اے محمد ﷺ) آپ کے ربّ کی قسم یہ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ ان تمام معاملات میں جو ان کے مابین اٹھ کھڑے ہوئے ہوں آپ کو حکم تسلیم نہ کریں اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس کے بارے میں دل میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے خوشی سے قبول کریں''.

رسول ﷺ کے حکم کو ردّ کر دینا اور آپؐ کی نافرمانی کرنا تو بہت دور کی بات ہے' جو کھلم کھلا بغاوت ہے' لیکن طرزِ عمل اگر یہ ہو کہ رسولؐ کا حکم مان بھی لیا اور اس پر عمل بھی کر لیا لیکن طبیعت میں کسی انقباض' ناگواری اور تنگی کا احساس ہوا تو یہ کیفیت بھی ایمان کے منافی ہے. اس ضمن میں ایک بہت پیاری اور بڑی جامع حدیث صحیح بخاری میں آئی ہے. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى

''میری اُمت پوری کی پوری جنت میں جائے گی' سوائے اس کے جو خود انکار کر دے''!

قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَاْبٰى؟ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ (ایسا کون ہے جو (جنت میں جانے سے) انکار کرے؟

قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى

فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا (جنت میں جانے سے) خود انکار کر دیا''.

تو معلوم ہوا کہ جنت میں داخلے کا شاہ درہ رسول ﷺ کی اطاعت ہے.

۲) حدیثِ رسولؐ کا مقام: رسول ﷺ کے حکم کے بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ رسولؐ کا حکم وحی جلی پر مبنی بھی ہو سکتا ہے اور وحی خفی پر بھی. وحی جلی قرآن ہے' جسے وحی متلو بھی کہا جاتا ہے' یعنی جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور وحی خفی حدیثِ رسولؐ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے. چنانچہ رسولؐ کا حکم صرف وہی شمار نہیں کیا جائے گا جو قرآن میں ہو' بلکہ رسولؐ ایسا حکم بھی دے سکتے ہیں جو وحی خفی پر مبنی ہو. یہ نکتہ اہل سنت اور منکرین سنت کے مابین حد فاصل ہے. اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ وحی جلی کی طرح وحی خفی کو ماننا بھی ضروری ہے اور رسولؐ کی اطاعت بھی بجائے خود مستقل اطاعت ہے. یہی وجہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ میں رسول ﷺ کے لیے لفظ'' اَطِيْعُوْا ''کی تکرار وارد ہوئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

''اے ایمان والو' حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اپنے میں سے والیانِ امر کا''.

یہاں اللہ کے بعد رسولؐ کے ساتھ بھی '' اَطِيْعُوا '' کے لفظ کو دہرایا گیا ہے' لیکن اولی الامر کے لیے لفظ '' اَطِيْعُوْا ''نہیں دہرایا گیا. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی اطاعت بھی اپنی جگہ مستقل بالذات اطاعت ہے اور ان کی ذمہ داری صرف اللہ کے حکم کو پہنچا دینا ہی نہیں ہے.

انکارِ حدیث اس دور کا خاصا بڑا فتنہ ہے اور ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ اس کا جلد شکار ہو جاتے ہیں' کیونکہ مغربی افکار کے زیر اثر اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہونے)(صحیح البخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ' باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ) کے باعث ان کے ذہن پہلے سے اس کے لیے تیار ہوتے ہیں. احادیثِ رسولؐ کے بارے میں ان کا احساس یہ ہوتا ہے کہ یہ ہم پر کچھ زیادہ ہی قدغنیں عائد کرنے والی چیزیں ہیں. چنانچہ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں احادیثِ رسولؐ سے اِباء کا جذبہ عام طور پر پہلے سے موجود ہوتا ہے اور یہ لوگ ''گوشِ حقیقت نیوش'' سے منکرین حدیث کی باتوں کو سنتے ہیں اور اس سے فوری اثر قبول کرتے ہیں. اس ضمن میں ایک حدیث ملاحظہ کیجیے. حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ' اَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ: عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ

وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ گ' وفی روایة الترمذی : وَاِنَّمَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللهُ۔

''لوگو آگاہ ہو جاؤ' مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اسی کی مانند ایک اور شے بھی! دیکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو لوگوں سے کہہ رہا ہو کہ لوگو' تم پر بس اس قرآن کی پابندی لازم ہے' جو کچھ تم اس میں حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسی کو حرام سمجھو''...

اور ترمذی کی روایت میں ہے: '' جان لو کہ جس طرح اللہ نے کچھ چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں اسی طرح اللہ کے رسول نے بھی کچھ چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں۔

ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کو خبر دار کیا ہے جو بڑے مرفہ الحال اور بڑے خوشحال ہوں گے' بڑے اچھے حالات میں بیٹھے ہوئے ہوں گے اور وحی جلی اور وحی خفی کے مابین تفریق کر کے حدیثِ رسولؐ کا استخفاف کریں گے. یہ طرزِ عمل بوریا نشینوں کا نہیں ہو گا' بلکہ اونچی سطح کے لوگ ہی اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں ختم نبوت کا تصور

مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق **ختم نبوت** سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالٰی کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جہاں میں بھیج کر بعثت انبیا کا سلسلہ ختم فرما دیا ہے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا ذکر قرآن حکیم کی 100 سے بھی زیادہ آیات میں نہایت ہی جامع انداز میں صراحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا) o الاحزاب، 33 : 40)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیا کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالٰی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کہہ کر یہ اعلان فرما دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی آخری نبی ہیں اور اب قیامت تک کسی کو نہ منصب نبوت پر فائز کیا جائے گا اور نہ ہی منصب رسالت پر۔

قرآن حکیم میں سو سے زیادہ آیات ایسی ہیں جو اشارۃً یا کنایۃً عقیدہ ختم نبوت کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی متعدد اور متواتر احادیث میں خاتم النبیین کا یہی معنی متعین فرمایا ہے۔ لہٰذا اب قیامت تک کسی قوم، ملک یا زمانہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور نبی یا رسول کی کوئی ضرورت باقی نہیں اور مشیت الٰہی نے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلسلۂ نبوت اور رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے اپنی ختمِ نبوت کا واضح الفاظ میں اعلان فرمایا۔

انس بن مالک سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَ۔ (ترمذي، الجامع الصحیح، کتاب الرویا، 4 : 163، باب : ذھبت النبوۃ، رقم : 2272)

ترجمہ : اب نبوت اور رسالت کا انقطاع عمل میں آچکا ہے لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو کوئی بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ملعون اور ابلیس کے ناپاک عزائم کا ترجمان ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی نہ صرف نشان دہی کر دی بلکہ ان کی تعداد بھی بیان فرما دی تھی۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أنّه سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّه نَبِيٌّ وَ أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَ بَعْدِيْ۔ (ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب : ماجاء لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، 4 : 499، رقم : 2219)

ترجمہ: میری امت میں تیس (30) اشخاص کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک کذاب کو گمان ہو گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اگر کوئی شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کرے (خواہ کسی معنی میں ہو) وہ کافر، کاذب، مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ نیز جو شخص اس کے کفر و ارتداد میں شک کرے یا اسے مومن، مجتہد یا مجدد وغیرہ مانے وہ بھی کافر و مرتد اور جہنمی ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے زمین کی ہر قوم اور ہر انسانی طبقے کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید تمام آسمانی کتب کے احکام منسوخ کرنے والی اور آئندہ کے لیے تمام معاملات کے احکام و قوانین میں جامع و مانع ہے۔ قرآن کریم تکمیل دین کا اعلان کرتا ہے۔ گویا انسانیت اپنی معراج کو پہنچ چکی ہے اور قرآن کریم انتہائی عروج پر پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد کسی دوسری کتاب کی ضرورت ہے، نہ کسی نئے نبی کی حاجت۔ چنانچہ امت محمدیہ کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ انسانیت کے سفر حیات میں وہ منزل آ پہنچی ہے کہ جب اس کا ذہن بالغ ہو گیا ہے اور اسے وہ مکمل ترین ضابطۂ حیات دے دیا گیا، جس کے بعد اب اسے نہ کسی قانون کی احتیاج باقی رہی نہ کسی نئے پیغامبر کی تلاش۔

قرآن و سنت کی روشنی میں ختم نبوت کا انکار محال ہے۔ اور یہ ایسا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ خود عہد رسالت میں مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعوی کیا اور حضور کی نبوت کی تصدیق بھی کی تو اس کے جھوٹا ہونے میں ذرا بھی تامل نہ کیا گیا۔ اور صدیق اکبر کے عہد خلافت میں صحابہ کرام نے جنگ کر کے اسے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اس کے بعد بھی جب اور جہاں کسی نے نبوت کا دعوی کیا، امت مسلمہ نے متفقہ طور پر اسے جھوٹا قرار دیا اور اس کا قلع

قمع کرنے میں ہر ممکن کوشش کی۔ 1973ء کے آئین میں پاکستان میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننے والے کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔

عقیدۂ ختم نبوت در حقیقت اسلام کے بنیادی عقائد میں وہ عقیدہ ہے، جس پر ایمان کے بغیر دین و اسلام کا تصور بھی محال ہے۔ یہ دین کا بنیادی اور لازمی عقیدہ ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں، بلکہ اللہ کے پیغمبر اور انبیاء (کی نبوت) کی مہر (یعنی اسے ختم کر دینے والے ہیں) اور اللہ ہر شے سے (خوب) واقف ہے۔'' (سورۃ الاحزاب)

یہ وہ عقیدہ ہے، جس کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، امت مسلمہ کے کسی بھی مکتبہ فکر نے تمام تر اختلافات کے باوجود کبھی اس پر سمجھوتہ نہیں کیا، کیوں کہ عقیدۂ ختم نبوت اہلِ اسلام کی شہ رگِ حیات ہے۔ یہ وہ آفاقی نظریہ ہے، جو قرآن مجید و احادیث نبویؐ سے قطعی ثابت ہے۔ پوری امت کا اس مسئلے پر اجماع ہے۔ اوپر درج شدہ سورۂ احزاب کی آیت کریمہ، دلالت کرتی ہے کہ محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے والد نہیں، یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی کھڑا ہو کر یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ چوں کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا یا پوتا ہوں، لہٰذا میں بھی نبوت میں کسی طرح شریک ہوں یا مجھے بھی نبوت میں شراکت کا کوئی حق حاصل ہے۔ اسی طرح خوب وضاحت سے بیان کر دیا گیا کہ آپ ﷺ تو اللہ کے پیغمبر اور تمام انبیاء کی نبوت پر مہر ہیں، یعنی اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا۔

امام الانبیاء، سید المرسلین، ختمی مرتبت، محمد رسول اللہ ﷺ پر بہ حیثیت آخری پیغمبر عقیدہ و ایمان ہر مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک اب کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، ظلی، نہ بروزی اور نہ ہی کسی دوسرے معانی و مفہوم میں کہ جس پر نبی کا اطلاق ہوتا ہو۔ دورِ رسالت و صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امت مسلمہ جہاں رب تعالیٰ کے واحد و یکتا ہونے پر ایمان کامل رکھتی ہے، بعینہ شافعِ محشر، ساقیِ کوثر محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر بھی غیر متزلزل ایقان رکھتی ہے۔

آپ ﷺ کے بعد کسی بھی معنیٰ میں دعویٰ نبوت کرنے والا کذاب ہے، اس کا یہ عمل محبوب رب العالمین ﷺ کی نبوت و رسالت کی چادرِ عصمت پر حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے تمام تر مشکل حالات کے باوجود سب سے پہلے اس بے ایمان کی سرکوبی کے لیے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں دستہ روانہ فرمایا اور اسے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اسی طرح دیگر جھوٹے نبوت کے دعوے داروں کا انجام موت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

''ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری مثال دیگر انبیاء میں ایسی ہے، جیسے کسی نے ایک اچھا کامل گھر بنایا، لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی تو لوگوں نے اس عمارت کو پسند کر لیا، لیکن خالی جگہ پر تعجب کیا، پس وہ خالی جگہ میں نے آ کر پُر کر دی۔ میرے آنے کے بعد نبوت کا محل مکمل ہو گیا۔ "معلوم ہوا کہ نبوت کی عمارت اب قیامت تک کے لیے کامل ہو چکی اور اس میں کسی قسم کی ترمیم کی ضرورت نہیں ہے"۔

برصغیر میں انگریز کی آمد نے جہاں مسلمانوں کے لیے سیاسی و اقتصادی تباہی و بربادی کا سامان کیا، وہیں اسلام کے پاکیزہ چہرے کو داغ دار کرنے کے لیے (معاذاللہ) کئی سازشیں تیار کی گئیں، تاکہ ایک جانب وحدت امت پارہ پارہ ہو تو دوسری جانب اہلِ اسلام ان کے پیدا کردہ فتنوں کی سرکوبی میں مصروف ہو کر انگریز کے خلاف جدوجہد آزادی سے صرفِ نگاہ پر مجبور ہو جائیں۔ اندرونی خلفشار اہلِ اسلام کو اپنے مسائل میں الجھائے رکھے اور سامراج ہندوستان کی دولت سمیٹ کر اپنے ملک میں جمع کرتا رہے۔ اس کے لیے انگریز سامراج نے جہاں دیگر ہتھکنڈے اختیار کیے، وہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی صورت میں یہ فتنہ کھڑا کیا، تاکہ اس کے وجود سے وحدت امت پارہ پارہ ہو جائے۔

انگریزی سامراج کے زیرِ سایہ یہ فتنہ پروان چڑھانے کی کوشش کی گئی، تاہم علمائے اسلام نے اس کی عقدہ کشائی کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ نے مرزا قادیانی سے دو سو سے زائد مناظرے کیے اور بحمد اللہ تعالیٰ ہر معرکے میں کام یاب و کامران رہے، یہاں تک کہ خود مرزا نے زچ ہو کر مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ کو مباہلے کا چیلنج دے ڈالا اور اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے کو سچے کی زندگی میں موت دے، تاکہ حق ظاہر و غالب ہو اور باطل رسوا ہو جائے۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کی ختم نبوت کی آبرو کی لاج رکھی۔ مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ مرزا غلام احمد قادیانی کی موت کے بعد کئی برس زندہ رہے، یہاں تک کہ قیام پاکستان کے بعد مولانا پاکستان ہجرت کر کے سرگودھا تشریف لے آئے اور 1949 میں ان کا انتقال ہوا۔ مرزا ناصر سے قومی اسمبلی میں مناظروں میں کام یابی کے بعد بالآخر ستمبر 1974ء میں قومی اسمبلی میں متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا اور انہیں مسلمانوں سے علیحدہ قرار دیا گیا۔ البتہ آج بھی یہ گمراہ ٹولہ اپنی سرگرمیوں سے باز نہیں آیا۔

اسلام اور پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف عمل، اسلامی لبادہ اوڑھ کر اسلام کو رسوا کر رہا ہے۔ اندرونی سطح پر ملک کے پسماندہ علاقوں میں ان پڑھ غریب مسلمانوں کو روپے پیسے کا لالچ اور بیرون ملک ویزوں کی آفر دے کر یہ اسلام و پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ شدید ضرورت ہے کہ حکومت ان پر کڑی نگاہ رکھے اور انہیں اپنے غیر اسلامی نظریات کی تبلیغ سے قانوناً روکا جائے، تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کو ان کی چال بازیوں سے محفوظ رکھا جا سکے۔

HAFIZ M.A.SUBHAN LE